حسبِ نصابِ تعلیم شعبہ قرآن وسنہ جامعہ کراچی، ایم اے سالِ اوّل پرچہ سوم

(منظور شدہ اکیڈمک کونسل دسمبر ۲۰۰۰ء)

فاضل بریلوی کا سیاسی کردار

(تحقیقی وتاریخی جائزہ)

تحریر وتحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

رئیس، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

297.9
28 ج
775

حسبِ نصابِ تعلیم شعبہ قرآن وسنہ جامعہ کراچی، ایم اے سالِ اوّل پرچہ سوم
(منظور شدہ اکیڈمک کونسل دسمبر ۲۰۰۰ء)

DATA ENTERED

فاضل بریلوی کا سیاسی کردار

تحقیقی و تاریخی جائزہ

تحریر و تحقیق
پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری
رئیس، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	......	فاضل بریلوی کا سیاسی کردار (تحقیقی و تاریخی جائزہ)
مصنف	......	پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی)
ناشر	......	مکتبہ نوریہ، ایس ٹی 20 سیکٹر 5-B/3۔ نارتھ کراچی
بہ تعاون	......	ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی اور نوائے علم ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان
کمپوزنگ	......	الناصر ریسرچ اکیڈمی، کراچی (0300-2080345/0333-2488165)
طباعت	......	مئی 2007ء
صفحات	......	155
قیمت	......	-/100

⌘ ملنے کے پتے ⌘

⌘ مکتبہ نوریہ، ایس ٹی 20 سیکٹر 5-B/3 نارتھ کراچی ⌘ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

⌘ ادارۂ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۵ جاپان مینشن ریگل چوک صدر کراچی

⌘ مکتبہ غوثیہ ہول سیل، سبزی منڈی، کراچی ⌘ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

⌘ علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی ⌘ مکتبہ فیض القرآن، اُردو بازار، کراچی

⌘ مکتبہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور ⌘ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

پیاری والدۂ مرحومہ زَہراء خاتون کے نام

جن کی دعاءِ سحر گاہی نے

مجھے یہ سطور لکھنے کے قابل بنایا۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

طلبگارِ دعا

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

جامعہ کراچی، کراچی

۳؍ مئی ۲۰۰۷ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
⌘	سخنِ وجاہت	07
⌘	نقشِ نوری	09
	(باب اوّل)	
⌘	نظریہ گاؤکشی	39
⌘	استفتائے مسلم لیگ بریلی	44
⌘	جوابِ محدث بریلی	45
⌘	مولانا شبلی کا غلط فتویٰ	49
⌘	واقعہ کانپور، فاضل بریلوی کی دینی و سیاسی بصیرت	50
⌘	میثاق لکھنؤ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا موقف	56
⌘	میثاق لکھنؤ	56
⌘	علامہ اقبال کا موقف	57
⌘	یہود، ہنود اور نصاریٰ سے تعلقات کی نوعیت پر فاضل بریلوی سے استفتاء.....	65
	باب دوم (الف)	
⌘	فاضل بریلوی اور تحریکِ خلافت	71
⌘	مولانا احمد رضا پر الزامات	73
⌘	مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کے جوابات	73
⌘	جواب الزام نمبر ا	76

⌘ جواب الزام نمبر۲ 76
⌘ جواب الزام نمبر ۳، ۴، ۵ 76
⌘ جواب الزام نمبر ۶ 76
⌘ تحریکِ ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد 86
⌘ مسٹر گاندھی کی سیاسی چال 86

باب دوم (ب)

⌘ تحریک ہندو مسلم اتحاد 93

(باب سوم)

⌘ تدبیر فلاح ونجات واصلاح اور اس کے اثرات 113

(باب چهارم)

⌘ ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ 123

(باب پنجم)

⌘ فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء 129

(باب ششم)

⌘ تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء 141
⌘ تصویر کا دوسرا رُخ 146
⌘ خلاصہ کلام 149
⌘ کتابیات 153

⌘ ⌘ ⌘

کلمہ تحسین

حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی (1856ء/1921ء) ابن علامہ مفتی محمد نقی علی خان قادری بریلوی (م 1880ء) برصغیر پاک و ہند کے ایک بلند پایہ فقیہ، محدث، مفسر، مفکر اور تقریباً تمام دینی اور دنیاوی علوم کے ماہر تھے۔ آپ نے جہاں دینی علوم پر سینکڑوں تصانیف بزبان اردو، عربی اور فارسی یادگار چھوڑی ہیں، اسی طرح سوشل سائنسز اور بنیادی سائنسز کی تمام برانچوں میں بھی آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں موجود ہیں یوں مختلف علوم وفنون پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار سے زیادہ ہے، جس میں ۵۰ فیصد ہی کی طباعت ممکن ہو سکی ہے۔

حضرت فاضل بریلوی نے اگرچہ برصغیر کی سیاست میں عملاً ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے کردار ادا نہ کیا مگر اس کے باوجود آپ کی نظر ہمیشہ مسلمانانِ جنوبی ایشیاء کی فلاح و بہبود پر رہتی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنے دور کے تمام سیاسی معاملات میں بھرپور قلمی کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک اور ہر آواز کے خلاف علمی و قلمی جہاد کیلئے نبرد آزما رہے، چاہے وہ تحریک خلافت کی شکل میں ہو یا تحریکِ ترکِ موالات کی صورت میں، جس کے باعث مسلمانانِ ہند کسی بڑے بھونچال کا شکار نہ ہوئے۔ آپ نے دو قومی نظریہ کو فروغ دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور تلامذہ نے اس مشن

کو آگے بڑھایا اور بہت جلد ایک الگ آزاد وطن پاکستان کی صورت میں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

آپ کے سیاسی افکار پر پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (رئیس کلیہ معارفِ اسلامیہ) کا جامع اور مفصل مقالہ بعنوان "فاضل بریلوی کا سیاسی کردار" نظر سے گزرا۔ راقم کی نظر میں اس عنوان پر یہ ایک منفرد اور قیمتی مقالہ ہے جو ڈاکٹر نوری زید مجدہٗ نے بہت آسان زبان اور اچھے انداز میں تحریر کیا ہے۔ جس سے جامعات کے طلباء و طالبات کے علاوہ عوام و خواص بھی مستفید ہوسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

سید وجاہت رسول قادری

صدر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

نَقشِ نُوری

برصغیر پاک و ہند کے زعمائے ملت اسلامیہ میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ (۱۸۵۶ـ۱۹۲۱ء) تقریباً ۵۵ مختلف علوم وفنون (قدیمہ و جدیدہ) میں مکمل عبور رکھنے کے علاوہ علم سیاسیات میں بھی بدرجہ اتم بصیرت تامہ رکھتے تھے، گو کہ آپ طبعاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتاویٰ نویسی میں مصروف رہا کرتے تھے اور اپنے عہد کے سیاسی، جلسوں، جلوسوں اور میٹنگوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے، لیکن جب اسلام اور مسلمانوں کی کئی اہم دینی وسیاسی ضرورت نے ملکی سیاسیات میں حصہ لینے کا تقاضا کیا تو آپ کبھی بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ فوری طور پر اپنے رفقاء اور خلفاء کے ہمراہ ہر اُس مذہبی وسیاسی تحریک کی بیخ کنی کے لیے شمشیر برہنہ ہوگئے جو خلافِ شرع اور مسلمانوں کے مفاد کے متصادم کام کررہی تھی۔

دیگر علوم کی طرح آپ کا سیاسی نظریہ و پہلو بھی پاک وصاف اور واضح تھا۔ آپ کے ابتداءِ موقف سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب وفراز آیا اور نہ ہی کوئی لچک پیدا ہوئی۔ غالباً اسی مضبوط موقف پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم (1) نے آپ کے بارے میں یہ کہا تھا کہ:

”آپ بڑے غور وفکر کے بعد فیصلہ صادر کرتے ہیں، اسی لیے آپ کے صادر کیے ہوئے فیصلے میں دوبارہ رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جب کبھی آپ کسی معاملہ میں ایک مرتبہ جو رائے قائم کرلیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے“۔(۱)

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہبی سیاسی و تصنیفی اور تدریسی دور ۱۲۸۲ھ (بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء) تا ۱۳۴۰ھ/ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء پر محیط ہے آپ ۱۲۸۶ھ

---

(۱) مقالات یوم رضا، حصہ اول ۱۲۰، مطبوعہ لاہور

میں اپنی حیرت انگیز اور متحیر العقول فطری ذکاوت کی وجہ سے ٹھیک ۱۳ سال دس ماہ ۵ دن کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ دیگر علوم کے علاوہ علوم تفسیر، حدیث، عربی ادب اور علم فتاویٰ اور علمِ فقہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جن علوم و فنون کی تحصیل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ کی بناء پر کی ان کی تعداد ۵۵ تک پہنچتی ہے۔ یہ تمام تفصیلات فاضل بریلوی نے اس عربی سند اجازات میں دی ہیں جو حافظ کتب الحرم (حرم مکۃ المکرمہ کے کتب خانے کے ان کے عہد کے لائبریرین) حضرت مولانا اسماعیل خلیل مکی کو عنایت کی تھی۔ اس سند کا تاریخی نام ''الاجازات الرضویہ لمجل مکۃ البھیۃ'' (۱۳۲۴ھ) ہے۔ (۱)

اس کا اندازہ مولانا ابوالحسن علی ندوی (2) کے ان تاثرات سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جو انہوں نے اپنے والد کی کتاب ''نزھۃ الخواطر، جلد ۸ ص ۴۱، مطبوعہ حیدر آباد دکن'' کے حاشیہ میں بیان کیا، تحریر کرتے ہیں۔

''یندرُ نظیرہ، فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی و جزیأتہٖ یشھد بذلک مجموعۃ فتاواہٗ و کتابہ و حرر والف ایضاً بعض اثناء اقامتہ، الرسائل بالحرمین و اجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین و اعجبوا بغزارۃ علمہٖ و وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقیہ والمسائل الخلافیۃ و سرعۃ تحریر و ذکائہ''۔

یعنی ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے، اس پر ان کے مجموعہ فتاویٰ اور تصانیف شاہد عادل ہیں۔ انہوں نے دورانِ قیامِ حرمین

(۱) ''الاجازات الرضویہ لمجل مکۃ البھیۃ''، ص ۳۰۱، مشمولہ رسالہ رضویہ ج ۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

شریفین بعض رسائل تصنیف و تالیف کئے اور بعض مسائل کے حل اور جوابات تحریر کئے جو علمائے حرمین شریفین نے آپ کو اس وقت پیش کئے۔ علماء حرمین شریفین متون فقیہ اور اختلافی مسائل پر اُن کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ مولانا ابوالحسن ندوی اور ان کے والد حکیم عبدالحیٰ لکھنوی الحسنی (3) مزید لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خان البریلوی... کان عالماً متبحراً کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال حافل فی التالیف و تبلغ مولفاتهٔ خمسمائة مولفاً اکبرها الفتاویٰ، الفتاویٰ الرضویة فی مجلدات کثیرة ضخمة".

یعنی آپ ایک ایسے عالم متبحر تھے کہ آپ کی معلومات وسیع اور مطالعہ بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کی حامل شخصیت تھے، تقریباً پانچ سو(۱) تصانیف و رسائل کے مؤلف تھے۔ جن میں علم فقہ میں بہت بڑی اور بہت ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب "فتاویٰ رضویہ" ہے۔

چنانچہ فاضل بریلوی خود لکھتے ہیں:

"بارہ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں"۔(۲)

مولانا ندوی مزید رقم طراز ہیں کہ:

"حتی بَرَع فی العلم وفاق علی اَقرانهٖ فی کثیرٍ من الفنون و له اربعة عشرة من عمرهٖ". (۳)

---

(۱) آپ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب زیارت حرمین شریفین کے لیے دوسری مرتبہ حاضر ہوئے تھے، اُس وقت تک آپ پانچ سو (۵۰۰) کتب کے مؤلف ہو چکے تھے اور اس وقت تک فتاویٰ رضویہ سات مجلدات (ہر جلد جہازی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل) تیار ہو چکی تھیں، بعد میں یہ مجلدات بڑھ کر بارہ ہوگئی تھیں اور شائع بھی ہو چکی تھیں۔ (نوری)

(۲) فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۳ ص ۲۳۰

(۳) نزھۃ الخواطر ص ۲۱، ج ۸، مطبوعہ حیدر آباد دکن

یعنی "آپ بہت سارے علوم و فنون میں اپنے ہم عصر علماء و فقہاو زعماء پر بھی فوقیت لے گئے، جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف ۱۴ (چودہ) برس کی تھی"۔

جب ہم اُن کے عہد کی تاریخ کا مطالعہ اور تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں فاضل بریلوی کے ہم عصر علماء و فقہا اور محدثین میں اپنے اور بیگانے سبھی یکتا و ممتاز نظر آتے ہیں اور سب ہی اپنے عصر کے جلیل القدر اہل علم و فن میں شمار ہوتے تھے، فاضل بریلوی ان سب پر فوقیت لے گئے۔ آپ کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے والد کی رائے لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے والد، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے متشدد فکری و عقائدی مخالفین میں سے تھے۔
واضح رہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی مؤسسین میں سے تھے اور نصابِ تعلیم ندوۃ العلماء کے ایک ممبر رہ چکے تھے، لیکن جب انہوں نے مولانا ابوالحسن ندوی کے والد اور دیگر علماء کا جھکاؤ انگریز نوازیت کی طرف مائل دیکھا تو تمام ممبران کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس وقت کے ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری بہاری چونکہ بہار کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سنی المذہب تھے اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی سے بیعت تھے، اسی وجہ سے مولانا احمد رضا خان ان کا احترام بھی کرتے تھے اور مولانا شبلی نعمانی جو اس وقت صدر ندوۃ العلماء تھے اُن کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی تھی لیکن اُن لوگوں نے مولانا احمد رضان کی باتوں پر کان نہ دھرا اور کسی مصلحت کے تحت ٹال مٹول سے کام لیا تھا۔ چنانچہ جب فاضل بریلوی نے یہ محسوس کیا کہ اب یہ ادارہ اپنے بنیادی اغراض مقاصد سے ہٹ کر انگریزوں کا مرکزی ادارہ بننے لگا ہے اور اس کے منشور میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے

معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا اور ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔اس کے علاوہ ادارے میں انگریزوں کے حق میں ترانے بھی گائے جانے لگے تھے اور اسی ترانے کو مولانا شبلی نعمانی نے کئی صفحات میں بقلم خود تحریر کیا تھا۔ ترانہ کے بعض اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

گرچہ مدح امراء میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکر احسان مگر فطرت انسانی ہے
تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراق سپاس
ان میں یہ پیشکش شبلی نعمانی ہے
اے ہمایوں گہر و افسر اورنگ شہی
وہ کیا تو نے جو آئین جہانبانی ہے (۱)

لہٰذا ایسی صورت حال میں فاضل بریلوی کے لئے ندوہ سے علیحدگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ آپ نے اہل ندوہ کے ان خیالات کی سخت گرفت کی نہ صرف خلوت میں بلکہ جلوت میں بھی۔ چنانچہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے عظیم الشان جلسہ عام میں (جو ایک ہفتہ جاری رہا اور جس میں ہندوستان کے سربرآوردہ صوفیاء و علماء شریک تھے) چار گھنٹے سے زیادہ طویل تقریر میں اس قسم کے خیالات پر بھی تنقید کی اور مسلمانانِ ہند کو اس سے (ندوہ کی حمایت و شرکت) سے باز رہنے کی تلقین کی۔ (۲) بعد میں وہاں کی فکری تنگ نظری نے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد علی مونگیری کو بھی ندوہ سے الگ کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ ادارہ دارالعلوم دیوبند کا ایک ذیلی ادارہ بن گیا۔

---

(۱) حیاتِ شبلی، صفحہ ۲۰۶، مولف سلیمان ندوی

(۲) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص ۲۰۵۔۲۰۴، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء

ایک روایت کے مطابق اس وقت مولانا ابوالحسن ندوی کی عمر ۱۶ برس کی تھی اور انہوں نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا اور اپنے بزرگوں سے سنا بھی۔ حیرت ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ''نزھۃ الخواطر'' کے حاشیہ میں دیگر باتوں کے فاضل بریلوی کے ندوۃ العلماء سے علیحدگی کے اسباب و علل کے حوالے سے کچھ بھی نہیں لکھا اور نہ ہی ندوہ کے قیام کے اصل اسباب ، اغراض و مقاصد سے متعارف کرایا۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جس طرح مسلمانانِ برصغیر شدید افراتفری اور زوال کا شکار ہوئے تھے، انہیں تعلیمی میدان میں بھی پیچھے کر دیا گیا تھا۔ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کو سرکاری ملازمتوں سے لے کر نجی اداروں تک زیادہ ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا تھا اور مسلمانوں کی قطعی طور پر اہمیت ختم کر ہو گئی تھی۔ ایسی صورت حال میں انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی یکجہتی، اتفاق اور اتحاد کو کمزور کرنے کی سازش کی گئی اور کئی علماء خریدے گئے۔

واضح رہے کہ ندوہ العلماء کی تاسیسی پالیسی میں یہ بات شامل تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان یکجہتی و ہم فکری پیدا کرنے کے لیے ندوہ کا قیام ضروری ہے۔ اس ادارے کو عقائدی و مسلکی معاملات سے بالکل الگ رکھا جائے گا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس ادارے کے تاسیس کے وقت ہی کچھ ایسے افراد اس ادارے میں شامل ہو گئے تھے جو اس ادارے کو بعد میں ایک مخصوص گروہ کے عقائد و نظریات کے مطابق چلانا چاہتے تھے۔ اس طرح ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ اہلسنت کی مخالفت کے باوجود ہر مکتبہ فکر کے علماء پر مشتمل ندوہ کے قیام اور اغراض و مقاصد پر مشتمل جو میمورنڈم تیار کیا گیا تھا اس کی بھی صریحاً خلاف ورزی کی گئی۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر بڑے بڑے علماء ہند بالخصوص مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، مولانا مفتی لطف اللہ علیگڑھی، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا

شاہ محمد حسین الہٰ آبادی، مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری علیہم الرحمہ نے خصوصی طور پر کئی بار مولانا محمد علی مونگیری بہاری اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ سے مصالحت کی کوشش کی تھی، لیکن ہر بار عقائدی اختلافات واضح طور پر سامنے آتے رہے اور یہ ادارہ واضح طور پر چند سازشی افراد کے ہاتھوں مکمل یرغمال بن گیا تھا اور انہی عناصر نے بالآخر اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے اسی ادارے کے بانیین بالخصوص مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد سورتی اور دیگر کئی علماء کو ندوۃ العلماء سے استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس تمام کھیل میں ایک شخصیت ہر اختلافی موڑ پر سر فہرست نظر آتی ہے اور وہ ہے مولوی عبدالحیٔ رائے بریلوی کی ذات۔ آپ ابوالحسن ندوی کے والد گرامی تھے۔ دراصل ندوہ میں 25 دسمبر 1895ء میں آپ کے شمولیت کے بعد سے ہی مقلدین کے انخلاء اور غیر مقلد اور غیر حنفی کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولوی عبدالحیٔ کے عباء میں شریعت وطریقت کے ہفت رنگ کے پیوند رکھے تھے۔ اور کبھی بھی اپنے اصل رنگ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس کے باوجود عدم تقلید ان کی عباء کا بنیادی رنگ تھا۔ بالآخر علامہ شبلی نعمانی کے استعفیٰ کے بعد 3 اپریل 1915ء کو وہ ناظم ندوہ منتخب ہو گئے اور اس طرح یہ ادارہ غیر مقلدین کا گڑھ بن گیا۔ ان کے بعد حکیم عبدالعلی لکھنوی ناظم ندوہ ہوئے اور ان کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ناظم بنایا گیا۔ (تفصیلات، سرگزشت وماجرائے ندوہ، مولفہ مولانا عبدالحیٔ پیلی بھیتی، مطبع نادری پریس بریلی، ۱۳۱۳ھ ملاحظہ کیجئے)۔

جیسا کہ ہر مسلمان ملک پر قبضہ کرنے کے بعد برطانوی و امریکی استعمار مسلمانوں کو جہاد کے جذبہ سے الگ کرنے کے لئے اور ان کی بنیادیں کمزور کرنے کیلئے سازشیں کرتا ہے (اور یہی صورت حال عراق اور افغانستان میں دیکھی جا سکتی ہے)۔ اس صورت حال کا

چند دردمند دل نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اور محبت و یگانگت کو ان کے درمیان فروغ نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ انگریزی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سر سید احمد خان بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے، جبکہ مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کے لئے چند علمائے امت مسلسل غور و فکر میں غرق تھے۔ ایسے میں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب کی اصلاح کیلئے 1893ء میں مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم ندوۃ العلماء (۱) کے قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ بقول مولانا سید حسن مثنی ندوی کہ اصولی طور پر اس تحریک کا مرکز مدرسہ فیض عام کانپور تھا، جہاں مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری، مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر علمائے اہلسنّت اور دیگر نے اس نئی تنظیم و تحریک کے معاملات سرگوشیوں میں طے کئے۔ اور مدرسہ فیض عام کے سالانہ جلسہ دستار بندی کو اس تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ (۲)

1310ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کا جلسہ دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں برصغیر کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ شریک ہوئے۔ ابتدائی تقریر مولانا مونگیری کی ہوئی اور جب انہوں نے ندوۃ العلماء کے قیام کا خاکہ پیش کیا تو تمام شرکائے جلسہ نے قبول کر لیا۔

---

(۱) ابتداء میں اس تنظیم کا نام مدینۃ العلماء مشہور ہوا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو بدل کر ندوۃ العلماء کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ یادگارِ شبلی، ص 224، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1971ء

(۲) مولانا حسن مثنی ندوی کا مضمون مجلس ندوۃ العلماء کی بین الاقوامی کانفرنس میں پڑھا گیا، مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۱۳ نومبر ۱۹۷۵

ڈاکٹر شیخ محمد اکرم نے ''یادگار شبلی'' میں ندوۃ العلماء کے بانی کے عنوان سے ایک تفصیلی بحث کا آغاز کیا ہے(۱)۔ ہر چند کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی گفتگو کو چند افراد تک محدود رکھنے کی دانستہ کوشش کی ہے جو ایک محقق کے شایان شان نہیں، یکطرفہ حوالوں کی بنیاد پر انہوں نے بڑے بڑے فیصلے دے دیئے ہیں اور کسی ایسے عالم کا نام ندوہ کے ضمن میں نہیں آنے دیا جو باعتبارِ مسلک ان کا ہم خیال نہ ہو حتی کہ انہوں نے حضرت شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کا بھی ذکر نہیں کیا، جو ایک صریح ناانصافی ہے۔

حالانکہ مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی کو فروغ دینے میں جن علمائے کرام نے حصہ لیا تھا، ان میں مولانا محمد علی مونگیری کے علاوہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا عبدالحق حقانی دہلوی، شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا عادل کانپوری، مولانا کلیم سجاد کانپوری وغیرہم کا نام نمایاں نظر آتا ہے، مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر ندوہ کے ضمن میں ان افراد کا نام محققین عصر کی تحریروں میں بہت کم ملتا ہے جو تعصب کی ایک بدترین مثال ہے۔

البتہ مولانا سید سلیمان ندوی بہاری تلمیذ شبلی نعمانی نے ''حیات شبلی'' صفحہ 302 (مطبوعہ اعظم گڑھ 1943ء) میں یہ ضرور ذکر کیا ہے کہ ندوہ کے قیام میں شامل افراد کا رابطہ وعقیدت ایک روحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا، جس کا نام نامی اسم گرامی مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی تھا۔ چودھویں صدی کے اوائل میں یہ ذاتِ گرامی سارے ہندوستان کی

(۱) یادگار شبلی، ص 282، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1971ء

روحانی عقیدت کا مرکز تھی۔

ابتداء میں ندوۃ العلماء کا قیام تو بڑا ہی خوش آئند تھا لیکن درون خانہ جلدی مختلف النوع مذہبی اختلافات کا گڑھ بن گیا۔ ان اختلافات کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ نمایاں تھی کہ اس میں غیر مقلدین اور نیچریوں کی تعداد اتنی واضح ہوگئی کہ ان گروہوں کے سرکردہ افراد نے ندوہ کے پلیٹ فارم کو اپنے عقائد کے پرچار کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ متنازعہ مسائل پر تقاریر کی گئیں اور اتحاد بین المسلمین کے بجائے تفرقہ امت کو ہوا دی گئی۔ اخوت اور اتحاد کا کچھ اس طرح پرچار کیا گیا کہ تمام اسلامی قیود وضوابط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ''سیوف العنوۃ علی ذمائم الندوۃ'' صفحہ 4 مولفہ سید امیر احمد مجددی (مطبوعہ بریلی 1315ھ) میں ہے کہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلافات پر بحث ومباحثہ کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مقلدین ائمہ اربعہ پر خود ایک دوسرے کی تکفیر واجب آتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری جو مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی کے مرید ہوگئے تھے، اپنا لب ولہجہ بدل لیا اور انہوں نے ندوہ کے دوسرے اجلاس قیصر باغ لکھنو منعقدہ اپریل 1895ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا اختلاف ہے۔ ایک شئے شافعیہ کے نزدیک فرض یا واجب ہے اور وہی حنفیہ کے نزدیک حرام، مکروہ ہے۔ شبلی نعمانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فروعات دین پر ہمارا اعتقاد نہیں علم سے ہمارا مذہبی تعلق ہے۔

ندوہ کے تیسرے اجلاس بریلی میں مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے مدارسِ اسلامیہ کے نصاب پر سخت تنقید کی اور کہا کہ اگر ناگوار خاطر علماء نہ ہو تو صاف صاف کہہ دوں کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم ہر علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے، فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ معاملات کا فیصلہ کر سکے۔

جلسہ لکھنو میں میاں نذیر حسین بہاری ثم دہلوی المعروف میاں صاحب اور انگریزوں کی مدح میں جو نظم پڑھی گئی اس کے کچھ اشعار بطورِ نمونہ یہاں درج کیے جا رہے ہیں:

گورنمنٹ وکٹوریہ شاد بادا ۔ دلش خرم وملکش آباد بادا
فلک پر ہیں جب تک ستارے چمکتے ۔ زمین پر رہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستان میں جب تک رہیں گل مہکتے ۔ درختوں پہ جب تک ہیں طائر چہکتے
رہے لارڈ الگن کا اقبال یاور ۔ مدارج ہوں لیفٹنٹ صاحب کے برتر

علمائے اہلسنّت جو پہلے مرحلہ سے ہی ندوۃ العلماء میں شامل تھے، اس قسم کی باتوں اور عدم تقلید کے مسئلے کے اشاعت اور تقلید کے خلاف ندوۃ العلماء کی تقریروں اور تحریروں میں دلائل نے ان کو سخت تذبذب میں ڈال دیا۔ شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں کہ ندوۃ العلماء میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کی شرکت کے باوجود مولانا رشید احمد گنگوہی ندوۃ العلماء سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔ (۱)

ایک مرحلہ پر علمائے اہلسنّت کی دعوت اصلاح نے زور پکڑا تو اراکین ندوہ نے علمائے دیوبند اور بریلی کے دیرینہ اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علمائے دیوبند کو ندوہ میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن علمائے دیوبند بھی ندوہ کی مذہبی اور اخلاقی صورت حال سے آگاہ ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے میں شرکت کو قبول نہیں کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو ایک فتویٰ میں ندوہ کے عزائم اور قیام کی سخت مذمت کی۔ ایک شخص محمد احسان اللہ غزنوی نے آپ سے استفسار دربارۂ ندوہ کیا تو آپ نے جواب میں تحریر کیا۔ یہ جلسہ، جلسہ ہمدردئ اسلام میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اس مسئلہ میں ظاہر کیا گیا ہے، اس کے موافق

---

(۱) یادگارِ شبلی، صفحہ 288

باعث ہدمِ اسلام ہے، پس اس میں شرکت اور اس کی اعانت اصلاً درست نہیں ہے۔

فقط واللہ علم، بندہ رشید احمد عفی عنہ (۱)

یہاں تک کہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی اور ان کے ہم عصر بڑے بڑے علماء حرمین اور علماء ہند نے ندوۃ العلماء کے ان سازشی علماء کے عقائد ونظریات کے خلاف نہ صرف فتوے (۲) دیئے تھے بلکہ کئی روز تک ہندوستان کے کئی صوبہ جات اور اضلاع میں مناظرانہ جلسے وجلوس کرائے گئے۔ اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے خلاف عظیم آباد، پٹنہ بہار کا جلسہ ایک تاریخی جلسہ کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اس جلسہ میں ندوہ کے خلاف ہندوستان کے تقریباً ۲۰۰ علماء ومشائخ نے شرکت کی تھی اور حضرت شاہ امین الفردوسی علیہ الرحمہ (سجادہ نشین حضرت شرف الدین یحییٰ منیری) نے صدارت فرمائی تھی۔ اور فاضل بریلوی کے ایک دوسرے خلیفہ مولانا عبدالوحید الفردوسی رئیس پٹنہ بہار نے ۵۰ ہزار روپے صرف کر کے اس عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا تھا اور وہی جلسے کے داعی بھی تھے۔ پورا صوبہ بہار اس جلسے میں اُمنڈ کر آ گیا تھا اور یہ جلسہ متواتر ۳ روز تک ہوتا رہا اور پٹنہ بہار سے ندوہ کے خلاف مجلّہ "تحفۂ حنفیہ" کا اجراء ہوا۔

مدرسہ حنفیہ پٹنہ بہار کافی عرصہ تک دینی، ملکی، سیاسی، علمی خدمات انجام دیتا رہا۔ اس ادارے سے حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علمائے اہلسنّت کی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس ادارہ نے فقہ حنفیہ کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی فاضل بریلوی کے شدید ترین مخالف ہونے کے باوجود بھی آپ کی علمیت

(۱) مہر گنگوہ دررد ندوہ، ص 12، مطبوعہ بریلی 1314ھ

(۲) ملاحظہ ہو، فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ والمین، مرتبہ امام احمد رضا خان بریلوی

اور مقام کو چھپا نہیں سکے اور انہوں نے "نزھۃ الخواطر" میں آپ کے لئے "برع فی العلم وفاق علیٰ اقرانہ فی کثیر من الفنون" لکھ کر حق بات کی گواہی دی۔

مؤرخین کے مطابق مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عہد میں مندرجہ ذیل علماء، محدثین، فقہاء اور مشاہیر اصفیاء باحیات موجود تھے۔

۱۔ سیدنا شیخ الاسلام آلِ رسول الاحمدی المارہروی (14)، المتوفی ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ۔

۲۔ سیدنا ابوالحسین احمد نوری المارہروی (15)، المتوفی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۴ھ۔

۳۔ سیدنا شیخ الاسلام علی حسین اشرفی کچھوچھوی (16)، المتوفی ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ۔

۴۔ مولانا عبدالقادر بدایونی (17) (تاج الفحول) ۱۳۱۹ھ۔

۵۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی (18)، المتوفی ۱۳۱۸ھ

۶۔ مولانا نور احمد بدایونی (19)، المتوفی ۱۳۰۲ھ۔

۷۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ فرنگی محلی (20)، المتوفی ۱۳۰۴ھ۔

۸۔ مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی (21)، المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

۹۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری (22)، المتوفی ۱۳۰۴ھ۔

۱۰۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی (23)، المتوفی ۱۳۳۴ھ۔

۱۱۔ اساتذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری (24)، المتوفی ۱۳۲۶ھ۔

۱۲۔ مولانا احمد حسن کانپوری (25)، المتوفی ۱۳۲۲ھ۔

۱۳۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی (26)، المتوفی ۱۳۳۳ھ۔

۱۴۔ مولانا سید ہدایت رسول لکھنوی (27)، المتوفی ۱۳۳۴ھ/1915ء

۱۵۔ مولانا قاسم نانوتوی (28)، المتوفی ۱۲۹۷ھ۔

۱۶۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی (29)، المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

۱۷۔ مولانا احمد حسن امروہوی (30)، المتوفی ۱۳۳۰ھ۔

۱۸۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (31)، المتوفی ۱۳۴۶ھ۔

۱۹۔ مولانا اشرف علی تھانوی (32)، المتوفی ۱۳۶۲ھ۔

۲۰۔ مولانا حسین احمد مدنی (33)، شیخ دارالعلوم دیوبند، المتوفی ۱۳۷۷ھ۔

۲۱۔ مولانا علی احمد محدث سہارنپوری (34)، المتوفی ۱۲۹۷ھ۔

۲۲۔ مولانا مظہر نانوتوی (35)، المتوفی ۱۳۰۲ھ، شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور۔

۲۳۔ میاں نذیر حسین دہلوی (36)، المتوفی ۱۳۲۰ھ۔

۲۴۔ مولانا انور شاہ کشمیری (37)، المتوفی ۱۳۵۰ھ۔

۲۵۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی (38)، المتوفی ۱۳۳۹ھ۔

۲۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (39)، المتوفی ۱۳۲۳ھ

۲۷۔ مولانا محمد حسین الہ آبادی (40)، المتوفی ۹ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ اجمیر شریف۔

۲۸۔ مولانا شبلی نعمانی (41)، المتوفی ۱۹۱۴ء

۲۹۔ مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی (42)، المتوفی ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ۔

۳۰۔ مولانا ابوالکلام آزاد (43)، المتوفی ۱۹۵۸ء

۳۱۔ مولانا خیر الدین دہلوی (44)، المتوفی ۱۷ رجب ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء، کلکتہ

۳۲۔ مولانا برکات احمد ٹونکی (45)، المتوفی ۱۳۴۷ھ

۳۳۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (46)، المتوفی ۴ رجب ۱۳۴۴ھ

۳۴۔ مولانا انوار اللہ خان حیدرآبادی (47)، المتوفی ۱۳۳۵ھ

۳۵۔ مولانا معین الدین اجمیری (48)۔ وغیرہم

ان کے علاوہ اُس دور کے دیگر ممتاز و معروف علماء و اصفیاء بھی موجود تھے اور ان میں

۷۷۵۶۵

اکثر سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ساتھ روابط و تعلقات تھے اور وہ آپ کو مجددِ وقت تسلیم کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ تر علوم وفنون کی تعلیم اپنے والد ماجد علامہ المفتی الحاج محمد نقی علی خاں بریلوی سے حاصل کی جو اپنے عہد کے ایک عظیم فقیہہ، محدث اور مفسر قرآن تھے۔(۱)

اورانہوں نے اپنی نگرانی ہی میں اعلیٰ حضرت سے فتویٰ نویسی کا آغاز کرادیا تھا۔ رجب ۱۲۰۷ھ/ ۱۸۸۸ء میں آپ کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہوئے تو درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ کلی طور پر فتویٰ نویسی کے فرائض بھی آپ ہی انجام دینے لگے تھے۔ اس وقت برصغیر میں مذہبی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ مولانا کی ولادت ۱۸۵۶ء کی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی لڑی گئی۔

انہوں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ انگریزوں، سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو بڑی بیدردی اور ظالمانہ طریقے سے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں میں تہہ تیغ و برباد کیا تھا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر کے اونے پونے سکھوں اور ہندوؤں کے حوالے کر دی گئیں اور اس عہد میں مذہبی تحاریک کے علاوہ جن سیاسی، اقتصادی، سماجی تحاریک اور مسائل نے مسلمانوں کے لئے اور زیادہ مشکلات پیدا کیں اُن میں:

۱۔ انسدادِ ''قربانی گاؤ''

۲۔ انہدام مسجد کانپور

۳۔ کانگریس کا قیام اور مسلمان علماء و زعما کا اس سے اشتراک اور اس میں شمولیت

---

(۱) اثباتِ ذبیحہ، مصنف علامہ محمد جلال الدین قادری، ص ۲۶ حاشیہ ۳۳/ امام احمد رضا کے والد ماجد، مطبوعہ بمبئی

۴۔ تحریک خلافت

۵۔ تحریک ہجرت

۶۔ تحریک ترکِ موالات ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ

۷۔ ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ترکِ مکانی پر مجبور کرنا

۸۔ نظریۂ اقتصادیات اور سودی معاملات

۹۔ دار العلوم دیو بند کا قیام اور محرکات

۱۰۔ تحریک ندوۃ العلماء

۱۱۔ اور تحریک قادیانیت وغیرہ

ایسے بیسیوں واقعات تھے جن سے مولانا احمد رضا خان بریلوی نہ صرف بخوبی باخبر تھے بلکہ ہر اہم موڑ پر آپ ہندی مسلمانوں کو اس کے محرکات اور اس کے پس پردہ ہندوؤں، انگریزوں کے چھپے ارادوں کے خطرناک نتائج سے خبردار اور آگاہ کرتے رہتے تھے بلکہ اِن تمام مذکورہ بالا تحاریک کے خلاف تحریری طور پر نمایاں حصہ لیتے رہے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ شائع کرا کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں مفت تقسیم کرائے اور جہاں جہاں جانے کی ضرورت پڑی خود تشریف لے گئے یا اپنے رفقاء و خلفاء کو بھیجا۔ اپنے خیالات وافکار کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے زمانے کے تمام وسائل ابلاغ مثلاً اخبارات، رسائل، جرائد، پوسٹر، جلسوں سے خطاب، وغیرہ کو اپنا آلۂ کار بنایا۔

اُس زمانے میں یہ کون باور کرسکتا تھا کہ ایک شناور ایسا بھی ہے کہ جو سیلاب کے رُخ پر نہیں بلکہ اس کے مخالف رُخ پر کھڑا ابقائے ملت اسلامیہ کی جنگ لڑ رہا ہے؟ اور یہ تو سیلاب تھمنے کے بعد ہی پتہ چلا کہ کون باقی رہا اور کون بہہ چکا؟۔ مولانا بریلوی اور دیگر علماء میں یہی فرق ہے کہ دیگر علماء وقت کے دھارے میں بہتے رہے، اُن کی پالیسیاں بنتی بگڑتی رہیں۔

اُن کے بیانات تضادات کا مجموعہ ہے۔جب کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ایک بار جو موقف اختیار کیا تادمِ زیست اس پر قائم رہے۔تحریک ِ ترکِ موالات، تحریک خلافت ،انسداد قربانی گاؤ، ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟، تحریک جدید اقتصادیات اور تحریک قادیانیت اور کانگریس کے سوراج کا حصول وغیرہ میں تو آپ کا موقف بڑا واضح رہا تھا اور بڑوں بڑوں کو آپ کی استقامت اور سچائی کو تسلیم کرنا پڑا،البتہ جس زمانے میں یہ موقف پیش کیا گیا ہے اس وقت ہندوستان میں ایک عجیب قسم کی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ فاضل بریلوی کو مطعون کر رہے تھے،اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ کہا جارہا ہے وہی سب کچھ ہے اور وہی ٹھیک ہے۔یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ جسے نام نہاد زعماؤں نے صحیح سمجھا تھا وہ غلط نکلا اور حقیقت وہی تھی جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پیش کی تھی۔ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ صحیح ثابت ہوا اور ایسا سچ ثابت ہوا کہ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی بے لوث سیاسی اور مذہبی و ملی افکار کو ہی اپنا کر آپ کے خلفاء تلامذہ، متبعین، متوسلین اور احباب نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اور بالآخر پاکستان وجود میں آگیا۔گویا یہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ تخلیق پاکستان منطقی طور پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فکرِ صحیح کے اثرات اور تسلسل کا لازمی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔اس سلسلے میں آپ کی زہ تمام کوششیں اور جدجہد کے دستاویزات اور آپ کے خلفاء و تلامذہ کی قربانیوں کی تفصیل فتاویٰ رضویہ کے علاوہ اس دور کے دیگر فتاویٰ، جرائد ورسائل اور اخبارات میں موجود ہے۔ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

باعث حیرت وافسوس تو یہ ہے کہ آج بھی مورخین و محققین کا ایک گروہ تحریک آزادئ ہند اور تحریک پاکستان کے حوالہ سے قیامِ پاکستان کے لئے جان و مال اور اپنی تحریر وتقریر

سے جدوجہد کرنے والے علماء اہلِ سنت ومشائخ کی خدمات کو پاکستان کی تاریخی صفحات میں مسخ کر کے پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف وسرگرداں نظر آتا ہے۔

چنانچہ چند سال قبل جامعہ کراچی سے تاریخ عمومی کے ایک معروف اسکالر اور ایمرٹیس پروفیسر کی نگرانی میں ایک طالب علم ایچ۔بی۔خان نے ''تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی وعلمی کردار'' کے نام سے تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور اپنے مقالہ کے لئے مصادر ومراجعات کے حصول وتلاش میں دار العلوم دیوبند، دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی وغیرہ اس کو جانا تو یاد رہا، لیکن مدرسہ منظر اسلام بریلی، مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ عالیہ رام پور، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، مدرسہ اشرفیہ کچھوچھہ، فیض آباد، خدا بخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رامپور، مدرسہ قادریہ وآستانہ مارہرہ جیسے قدیم علمی ادارے کا دورہ کرنا موصوف کو یاد ہی نہ رہا۔اگر موصوف صرف رضا لائبریری رامپور میں اخبار ''دبدبۂ سکندری'' کی سوسالہ فائل ہی ملاحظہ کر لیتے تو ان کو پاکستان مخالف اور ہندو نواز علماء کی وہ طویل فہرست اور دستاویزاتی ثبوت مہیا ہو جاتے جس سے تاریخی حقائق سامنے آجاتے اور تاریخ کو مسخ کرنے کے جرم سے وہ بچ جاتے۔ شاید اسی لئے اہل علم ودانش کو مذکورہ تحقیقی مقالے پر عدم ثقاہت کا گمان ہوتا ہے۔

سچا محقق وہ ہے جو احقاقِ حق میں اپنے اور پرائے کی تمیز نہ کرے۔دیانتداری اور عدل سے کام لے۔خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے مرتب اور تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس کے مصنف علامہ جلال الدین قادری (کھاریاں) اپنی ایک تحریر میں اس حقیقت کو یوں آشکار کرتے ہیں:

> ''مؤرخ کا فرض ہے کہ واقعات کے بے کم وکاست جیسا کہ واقع میں رونما ہوئے ہوں قلم بند کرے، حالات کو واقعات کی صحیح عکاسی کرنا اس کی دیانتداری ہے۔مگر بعض اوقات مؤرخ ابتداءً کچھ ''مفروضے'' قائم کرتا ہے،

پھر ان مفروضوں کی بناء پر تاریخ ''تصنیف'' کرتا ہے یا اپنی پسندیدہ شخصیت کے گرد واقعات کو جمع کرتا ہے اور بعض شخصیات کو اپنے نظریات اور معتقدات کے خلاف پا کر حقیر جانتا ہے اور ''تاریخ سازی'' کی اس مہم میں اسے بالکل نظر انداز کر جاتا ہے یا پھر (کچھ) اس طرح کا تذکرہ کرتا ہے کہ اس کے کردار کی صحیح صورت حال ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔۔۔ یہی کچھ پاکستان میں آج تک ہوتا رہا ہے''۔ (۱)

مرحوم سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا بھی یہی خیال ہے کہ تحریک جہاد یا تحریک آزادئ ہند کے حوالے سے اب تک برصغیر پاک و ہند کے کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سب یک طرفہ ہے۔ یہ بات انہوں نے ۶ فروری ۱۹۷۸ء کو کراچی میں ایک ماہنامہ کے ایڈیٹر کے سوال کے جواب میں کہی تھی۔ ڈاکٹر قریشی مزید لکھتے ہیں کہ:

''میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے یعنی صحیح واقعات کو مسخ کیا گیا ہے یا دوسرے تیسرے درجہ کے ماخذات کو ہی زیادہ ترجیح دی گئی ہے۔ اس موقع پر میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق سے رجوع کیا اور انہوں نے مواد فراہم کیا۔

محترم قارئین! اسکالر موصوف اپنے مطبوعہ مقالہ کے صفحہ ۳۹۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''بقول پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولوی احمد رضا بریلوی نے بہت سے کتابچے، رسالے اور کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مگر میری نظر میں ڈاکٹر قریشی صاحب کی یہ تعداد مبالغہ آمیزی

(۱) آزادی کی منزل، ص ۲۱۔ مولفہ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ کھاریاں، گجرات

پرمبنی ہے۔ گمانِ اغلب یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے ایک ورقہ یا دو ورقہ یا سہ ورقہ یا اس طرح کے رسائل وہدایت نامہ لکھے یا جاری کیے ہوں گے اور انہی رسائل کو ان کے معتقدین نے انہیں کتب کے زمرے میں شامل کر لئے ہیں۔ (۱)

۲۔ اسکالر موصوف مزید لکھتے ہیں:

''سیاسی اعتبار سے مولوی احمد رضا بریلوی نے اپنی زندگی میں کوئی عملی کام نہیں کیا اور اُن کے مزاج میں تشدد اس حد تک غالب تھا کہ وہ اپنے خیال اور فیصلے کے خلاف موقف کی تائید میں کسی شرعی فیصلہ کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے''۔

محترم قارئین! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پاکستان کی ایک بڑی تعلیمی درسگاہ یونیورسٹی آف کراچی میں بیٹھ کر اس قسم کے اسکالرز ''ریسرچ'' کے نام پر کس قسم کے تحقیقی کام میں مصروفِ عمل ہیں؟۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے نگران نے کس طرح غیر محقق اور جانبدار مقالہ کو منظور کرلیا اور ممتحنین نے بھی بلا مطالعہ اسے منظوری کی سند عطا کردی۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاست
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

دور جانے کی ضرورت نہیں اگر موصوف صرف ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے دفتر (واقع ۲۵ جاپان مینشن ریگل چوک صدر کراچی) ہی چلے جاتے تو ان کو تحریک

(۱) تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار، صفحہ 220

پاکستان کے حوالے سے علمائے اہلسنّت کے کردار پر اس قدر مواد مہیا ہو جاتا کہ ان کو شدر حال کر کے دیوبند یا ہندو نواز اور کانگریس مزاج جماعت جمیعت علماءِ ہند کے دفتر دہلی کی یاترا کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

اگر اسکالرز موصوف مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تصانیف یا علمی کام کے حوالے سے کوئی مدلل و مبرہن گفتگو کرتے تو اُن کی بات قابل توجہ ہوتی لیکن موصوف بزعم خویش یکطرفہ الزام لگا کر محقق بننا چاہتے ہیں۔ اگر موصوف کو فرصت ملے تو مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے حوالے سے ''تذکرہ علماء ہند'' مولفہ مولوی رحمان علی لکھنوی اور مولانا ابوالحسن ندوی کی ''نزھۃ الخواطر'' ج ۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن اور ''انوارِ رضا'' مطبوعہ لاہور، معارفِ رضا کراچی کے ۲۵واں سالنامہ شمارہ، پاکستان کے معروف اردو اخبارات ''جنگ'' اور ''نوائے وقت'' وغیرہ ہی مطالعہ کر لیتے تو انہیں امام احمد رضا کے علمی، سیاسی، ادبی اور ملی کارناموں کا بخوبی اندازہ ہو جاتا۔

شاید موصوف کے علم میں نہیں کہ اس وقت پوری دنیا کی جامعات میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حیات و علمی سیاسی وادبی خدمات پر پی۔ ایچ۔ ڈی (Ph.D) کی 30 ڈگریاں دی جا چکی ہیں اور تقریباً 30 (تیس) امیدواروں کی رجسٹریشن ہو چکی ہے، جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ (۱)

موصوف کنویں کے مینڈک بن کر محقق نہ بنیں۔ علمی میدان میں آ کر دیکھیں اور اپنی بند آنکھیں کھول کر کتب و اخبارات و مجلات کا مطالعہ کریں تا کہ اُن کو مولانا احمد رضا خان بریلوی کی علمی، دینی، سیاسی ادبی و سماجی خدمات کا صحیح اور درست اندازہ ہو سکے۔

---

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی کا سالنامہ شمارہ ۲۵، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۷ تا ۳۶۵

آج برصغیر پاک وہند، بنگلہ دیش اور یورپ میں بیسیوں ادارے امام احمد رضا اور علمائے اہلسنّت کے حوالے سے تحقیقی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ کراچی کے بے شمار تلامذہ اور اہل نظر محققین کے اصرار پر راقم الحروف نے یہ تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے، تاکہ طلباء و طالبات اور عوام وخواص کو مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی اور اُن کے خلفاء و تلامذہ اور وابستگان کی دینی، سیاسی وملی خدمات سے صحیح اور درست طور پر باخبر کیا جاسکے اور انہیں بتایا جاسکے کہ برصغیر وجنوبی ایشیاء میں حضرت فاضل بریلوی اور اُن کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء وزعما نے کن کٹھن اور دشوار کن حالات میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی تھی؟ اور انہی کی جدوجہد اور ان کے متوسلین کی قربانیوں کے صلے میں قیام پاکستان ممکن ہوسکا۔

معروف محقق وماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مولانا بریلوی مذہبیات وادبیات کے علاوہ سیاسیات میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ ایک عظیم مدبر تھے۔ ان کے مندرجہ محققانہ رسائل نے سیاست ملیہ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ہے"۔ (۱)

۱) انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء)

۲) اعلام الاعلام بان ھندوستان دار السلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء)

۳) تدبیر فلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)

۴) دوام العیش فی الائمۃ من القریش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

---

(۱) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص 100، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی 1999ء

۵) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

۶) الطاری الداری لھفوات عبدالباری (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

راقم الحروف نے اپنے اس علمی بحث کا آغاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اُسی سیاسی ومذہبی فتاویٰ ''گاؤ کشی'' (انفس الفکر فی قربان البقر) سے کیا ہے، جو ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں مراد آباد سے آپ کی خدمت میں آیا تھا اور برصغیر میں اس وقت یہ فتویٰ مذہبی سے زیادہ سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ بڑے بڑے علماء وفقہاء اس سیلاب بلاء میں بہہ گئے تھے۔

جہاں تک گاؤ کشی کا معاملہ ہے آج بھی پاکستان، افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ایک شعار شمار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ماضی میں اسلامی سلطنت ہند میں ہندوؤں کے بہکاوے میں آکر اکبر بادشاہ نے بھی گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی تھی۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۳۴ھ کی بسیار جدو جہد اور کوشش سے جہانگیر بادشاہ کے عہد میں یہ پابندی اٹھا دی گئی تھی اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں خود ''جہانگیر'' نے گائے ذبح کرائی تھی۔ (۱)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانانِ ہند پر انگریزوں نے بہت مظالم ڈھائے اور جنگ آزادی کی حمایت کی پاداش میں زمینیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور بعض علاقوں میں ہندوؤں میں تقسیم کر دی گئیں۔ مسلم تاجروں اور کارخانہ داروں کے کاروبار کو اجاڑ دیا گیا۔ جبکہ ہندوؤں کو خصوصی مراعات سے خوب نوازا گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے دوبارہ کوشش شروع کر دی کہ گائے کی قربانی پر مکمل

---

(۱) احمد سرہندی مکتوباتِ امام ربانی، حصہ دوم۔ دفتر اول۔ مطبوعہ امرت سر ۱۳۳۳ھ۔ اور تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ اثبات ذبیحہ، ص 3 تا 8۔ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ کھاریاں، گجرات ارشادات، مصنفہ مولانا سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبہ علوم اسلامی علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا.

پابندی عائد کردی جائے۔ یہ وہ دور تھا جب ابھی آل انڈین نیشنل کانگریس (سال تاسیس ۱۸۸۵ھ) کا (جس کی زمام ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور جس کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی سیاسی آزادی کیلئے ایک قومی نظریہ ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ بلند کیا گیا تھا) قیام بھی عمل نہیں آیا تھا۔

ہندوزعماء نے نہایت چالاکی سے مسلمانوں کے بھیس میں مختلف علماء ہند سے گائے کی قربانی ترک کرنے سے متعلق استفسار کئے۔ اسی سلسلہ کا متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء میں یوپی کے شہر مُرادآباد سے امام بریلوی کے نام بھی آیا۔ امام صاحب نے سوال کرنے والوں کے اصل چہرے بھانپ لئے اور اس موضوع پر مفصل و محقق جواب تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا:

''ہنود کی بے جاہٹ بجا رکھنے کیلئے یک قلم اس رسم کا اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں''۔

یہ فتویٰ ''انفس الفکر فی قربان البقر'' (۱۸۸۰ء) کے نام سے اُن کی زندگی ہی میں بریلی سے شائع ہوا۔ (۱)

پھر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن انہوں نے بھی ہندوؤں کی محبت اور صدر کانگریس پنڈت دون موہن کے دباؤ میں آکر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حکیم اجمل خان نے گائے کی قربانی نہ کرنے پر ۱۹۱۹ء میں ہندوؤں کی ہمنوائی کی تھی جو نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس موقع پر بھی فاضل بریلوی نے اپنے فتویٰ میں اس غیر شرعی ہمنوائی کی بھرپور مذمت کی۔ (۲)

(۱) حیاتِ مولانا احمد رضا بریلوی، ص ۱۰۰۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی

(۲) النور، مصنفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف، صدر شعبہ علوم اسلامیہ علی گڑھ

نوٹ: ''تحریک ترکِ گاؤکشی'' کے عنوان سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی تالیف ''تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم'' میں گاؤکشی پر پابندی کے نتائج پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ مولانا جلال الدین قادری نے ''اثباتِ ذبیحہ'' کے نام سے ایک مفید تحقیقی رسالہ تحریر کیا ہے۔ نیز صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے تحریکاتِ ہند پر افکار و خیالات جاننے کیلئے ''مجموعہ افاضاتِ صدر الافاضل'' مرتبہ مولانا حکیم معین الدین نعیمی مدیر سواد اعظم لاہور کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ یہ مجموعہ تحریکات ہند پر کمالِ تحقیق سے نقد و نظر کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کیلئے دائمی اصول بتاتا ہے۔ (نوری)

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جس زمانہ (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء) میں گاؤکشی کی حمایت میں پہلا فتویٰ دیا تھا، اس وقت آپ کی عمر بمشکل ۲۳ سال کی ہوگی۔ آپ کے اس سیاسی فتوے کے بعد دیگر سیاسی فتاویٰ سامنے آئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اپنی تصنیف ''حیاتِ مولانا احمد رضا خان بریلوی'' میں اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابل توجہ ہے اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ درست اور صحیح ثابت ہوا''۔

آپ کے اس مدلل جواب پر علمائے رام پور نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے استاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (المتوفی ۱۳۱۱ھ) اپنے توثیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''الناقد بصیر'' یعنی پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے، یعنی مفتی نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے فتویٰ کی اصل منشاء کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا ہے۔ جبکہ اسی فتویٰ کا جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحئی لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) نے بھی دیا جو ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء ان کے مجموعہ فتاویٰ میں شائع ہوا۔ انہوں نے سوال کے ظاہری

پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا تھا کہ ''گاؤ کشی واجب نہیں اور تارک گنہگار نہ ہوگا''۔ (۱)

مگر جب اصل حقیقت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاء خالص سیاسی نقطۂ نظر ہے تو انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے دوسرے فتوے میں یہ جواب دیا کہ ''گاؤ کشی کہ اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں''۔ (۲)

مولانا بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

''مولوی صاحب، ہنود کے دھوکہ میں آگئے، مسلمانوں کے خلاف فتوی لکھ دیا۔ تنبیہ پر متنبہ ہوئے۔ یہی سوال میرے سامنے بھی آیا تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ بہ نگاہِ اولیں مکر مکاران پہچان لیا اور ''گربہ کشتن روزِ اول باید'' پر عمل کیا۔ وللہ الحمد (۳)

راقم الحروف اپنے اس علمی و تحقیقی بحث کو سمیٹتے ہوئے ایک مقدمہ نقش نوری اور پانچ ابواب پر ختم کرتا ہے۔

باب اوّل

(الف) نظریہ گاؤ کشی اور اعلیٰ حضرت کی سیاسی دور اندیشی ۱۸۸۰ء

(ب) مولانا شبلی نعمانی کا غلط فتویٰ، مسلم لیگ کا غلط نظریہ

(ج) واقعہ کانپور کی سیاسی و مذہبی نوعیت اور اعلیٰ حضرت کا موقف اور اثرات

---

(۱) انفس الفکر فی قربان البقر، ص ۱۰، مولفہ امام احمد رضا بریلوی، مطبوعہ بریلی اور مجموعہ فتاوی رضویہ ج ۲ اشاعت اول ص 148

(۲) مجموعہ فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن، ج 14 ص 545

(۳) ملفوظات حصہ اول ص ۱۷، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

(د) میثاقِ لکھنو اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا شدید سیاسی موقف

(ھ) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا موقف

(و) یہود و ہنود عیسائیوں سے تعلقات کی نوعیت اور مولانا احمد رضا خان بریلوی

باب دوم

(ا) مسلمان ایک ملت واحدہ ہیں

(ب) افکارِ رضا اور تحریک خلافت ۱۹۱۹ء

(ج) دو قومی نظریہ کی بنیاد

(د) احمد رضا پر الزامات، مفتی محمد عمر نعیمی اور دیگر علماء اہلسنّت بریلی کے جوابات

(ھ) تنظیم انصار الاسلام بریلی کی تشکیل اور اغراض و مقاصد

(و) ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا آغاز اور ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں گاندھی جی کی سیاسی چال

باب سوم

(الف) جدید اقتصادی اور سیاسی افکار کے پس منظر میں مسلمانوں کی فلاح کی راہ

(ب) مسلمانان برصغیر کے لئے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اقتصادی نکات اور اسلامی بینک کے قیام کی جانب ایک خوبصورت تجویز

(ج) مفتی محمد عمر نعیمی کی توضیحات وتشریحات

(د) أعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام کی تصنیف اسباب و جوہات

باب چہارم

(الف) کیا مسلمان باطل قوتوں سے خوفزدہ ہو کر وطن چھوڑ جائیں؟

(ب) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

(ج) شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ

(د) مفتی کفایت اللہ دہلوی اور انور شاہ کشمیری کا موقف

(ھ) مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتاویٰ

(و) مولانا احمد رضا خان بریلوی کا جامع موقف، فتویٰ اور اثرات

باب پنجم

(الف) امام احمد رضا اور ان کے خلفاء ومحبین کا ۱۹۲۵ میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں اجتماع

(ب) جمعیۃ العالیۃ المرکزیہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور کئی قراردادیں ترتیب دی گئیں

(ج) جمعیۃ العالیۃ المرکزیہ کے ذیلی دفاتر کا قیام (ضلع مالدہ، بنگال)، (بہار) ضلع اٹھوہ، یوپی، بنارس، گجرات، مراد آباد، بریلی، پیلی بھت، بدایوں، رام پور، لاہور، دہلی، شاہ جہاں پور، اجمیر/راجستان، کچھوچھہ فیض آباد وغیرہ میں اجتماعات منعقد ہوئے اور اکابرین اہلسنّت ان اجتماعات میں شریک ہوتے رہے۔

باب ششم

(الف) تقسیم ہند اور علماء اہلسنّت

(ب) اقبال کا ۱۹۲۳ء میں خطبہ الٰہ آباد، حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا موقف ورد عمل

(ج) ۱۹۴۲ء میں علماء اہلسنّت ومشائخ کا قیام پاکستان کی حمایت کیلئے فیصلہ

(د) ۱۹۴۶ء بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجتماع اور قیام پاکستان کیلئے قرارداد

(ھ) تقسیم ہند اور پاکستان کا قیام

خلفاء امام احمد رضا اور مشائخ کا پاکستان کے حصول کیلئے جدوجہد میں کردار

(و) دربارِ رضا میں میاں عبدالرشید کا خراجِ عقیدت

رب کریم سے دعا ہے کہ اس خالص علمی تحقیقی کام کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

۲۸ رفروری ۲۰۰۷ء

(بابِ اوّل)

نظریۂ گاؤکشی

(بابِ اوّل)

نظریۂ گاؤکشی

شوال المکرّم ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء کو ضلع مراد آباد سے مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا گیا اور پوچھا گیا کہ علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ ''گاؤکشی کوئی ایسا امر ہے، جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے؟ یا اگر کوئی شخص معتقدِ اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ ''اکل'' (کھانا) اس کا جائز جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا؟ گاؤکشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہ گار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤکشی نہ کرے صرف اباحتِ ذبح کا دل سے معتقد ہو، تو وہ گناہ گار نہ ہوگا، جہاں بلاوجہ اس فعل کے ارتکاب سے ''ثوران فتنہ وفساد'' اور مقتضی بہ ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور علمداری اہل اسلام بھی نہ ہو، وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے! تو جائز ہے؟ یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارتِ فتنہ وفساد، ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کے معتبر ہے یا گائے کی؟(۱)

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک خلیفہ مولانا (پروفیسر) سید سلیمان اشرف بہاریؒ سابق صدر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ المتوفی ۱۹۹۳ء بیان کرتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ جیسے ہی ختم ہوا اور انگریزوں کے مظالم وقاتل گری سے مسلمانانِ برصغیر سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے ان کے مظالم سے ستائے ہوئے مسلمانوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور انگریزوں کے تعاون سے بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ وعزت کے سامان ہندوؤں اور سکھوں کے دست

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸

تصرف میں آ گئے۔ ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مسلمان اب کمزور ہو گئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے مذہبی شعار پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ مظالم و جفا کاری کا ایک کوہ آتش فشاں تھا، جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزت و حمیت ان کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔ بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا۔ اس کا اندازہ کرنا اب بہت مشکل نظر آتا ہے لیکن برصغیر کے غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کو قائم رکھنے میں ہمیشہ ہمت و استقلال سے ان کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔ ہندوؤں اور دیگر باطل فرقوں نے اسی پر بات ختم نہ کی بلکہ حسب دستور ۱۲۹۸ھ میں ایک فتویٰ جس میں اس بات پر بہت زور دیا گیا تھا کہ ''بموقع بقرعید'' گائے کی قربانی جبکہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ کی وجہ سے اس میں خلل آتا ہے (ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے) اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ فتویٰ زید و عمر و بکر کے فرضی ناموں سے مختلف شہروں سے مختلف علماء کرام و مفتیان عظام کے نام بھیجا گیا تھا۔ فتویٰ کا ایک نسخہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں بھی بھیجا گیا تھا اور آپ نے طرز سوال ہی سے بھانپ لیا کہ ایسا سوال کس کا ہو سکتا ہے؟ آپ اس وقت ضلع نینی تال میں تھے اور آپ نے جواب میں اس موقع پر اپنا رسالہ'' انفس الفکر فی قربان البقر'' کے نام سے ترتیب دے کر پورے ہندوستان میں مفت تقسیم کرایا۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کے ایک خلیفہ خاص حضرت صدر الشریعۃ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ''انفس الفکر فی قربان البقر'' کے حاشیہ پر اہم وضاحت کے عنوان سے مذکورہ استفتاء کے ان تک پہنچانے کے واقعہ کی مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''(ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء کا نمونہ و مصداق) ۱۲۹۸ ہجریہ کا ربع اخیر ہے، شوال مکرم کا ماہِ منیر ہے، اس لئے خاتمۃ المحققین امام المدققین فاضل بریلوی سے دو سوال ہوئے۔ طبیعت میں حق کی طرف رجوع۔ اس سوال سے تنبہ ہوا، لہٰذا اس پر فتویٰ میں رجوع فرما کر ۹ علماء کی تصدیقات کے ساتھ شائع فرمایا۔

صدر الشریعۃ کے اس وضاحتی نوٹ سے جہاں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ژرف نگاہی اور سیاسی تدبر کا پتہ چلتا ہے وہیں علومِ اسلامیہ میں ان کی کمال دسترس اور استحضار علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے جس طرح دلائل و براہین سے بھرپور ایسا جواب دیا کہ جید علماء کرام کیلئے رجوع اور زعماء ملت و عوام الناس کیلئے دینی و سیاسی شعور کی بالیدگی سبب بنا۔ ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور، صفحہ ۳۴۵ تا ۳۴۹ ....(نوری غفرلہٗ)

اسی وقت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا مدلل مفصل محقق جواب بنام "النفس الفکر فی قربان البقر" تحریر فرمایا۔ جس سے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً بجھ گئیں جواب ملاحظہ فرمائیے۔

"باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس فعل کے ارتکاب سے "ثوران فتنہ وفساد ہوگا"، ہم کہتے ہیں کہ جن مواضع میں مثل بازار وشارع وغیرہ گاؤکشی کی قانونی ممانعت ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ "اثارتِ فتنہ وفساد" اس کی طرف منسوب ہوسکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا اور اس امر کو ہماری شرع مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذے یا انہیں سزا ہونے کا باعث ہونا، بے شک توہین مسلم ہے جس کا مرتکب یہ شخص ہوا۔ نظیر اس کی سب وشتم الٰہیہ باطلہ مشرکین ہے کہ شرع نے اس سے ممانعت فرمائی ہے، اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہٖ حرج محقق نہ تھا۔

قولہٖ تعالیٰ:

"ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدواً بغیر علمٍ"

ترجمہ: "اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے"۔ (القرآن)

اور جہاں "قانوناً" ممانعت نہیں وہاں اگر "ثوران فتنہ وفساد" ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا اور جرم انہی کا ہے کہ جہاں گائے ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے کیا، اِن کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی کیسے ترک کرسکتے ہیں؟ یہ حکم بعینہٖ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اغنیاء سے کہے تمہارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ وفساد وایذائے خلق اللہ ہے کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ قید کی سخت سزا پائیں۔

اس احمق کے جواب میں بھی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے، اس کے سبب سے

ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی؟ اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ و فساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً اس رسم کے لئے اٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی، جہاں چاہیں گے فتنہ و فساد برپا کر دیں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کر دے گی اور اس کے سوا ہمارے جس رسم مذہب کو چاہیں گے، اپنے فتنہ و فساد کی بنا پر بند کرا دیں گے اور یہی واقعہ ان کے لئے نظیر ہو جائے گا کہ ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً واجب ہے۔ بالجملہ خلاصہ یہ ہے کہ بازار و شارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے، براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک اسلام کو توہین ذلت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً حرام اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بے جا ہٹ کو بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان مضرات و مذلات کا باعث ہے جس کا ذکر ہم اوّل میں کر آئے ہیں جنہیں شرع مطہر ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ (۱)

پھر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں اسی مسئلہ میں ہندوؤں کی جانب سے شدت پیدا ہو گئی اور مشہور گانگریسی لیڈر ''تلک مہاراج'' نے سیوا جی کو قومی ہیرو قرار دیا اور ''گنپتی'' کا تہوار منانے کا فیصلہ کیا جس میں ہر سال مسلمانوں کے محرم کے موقع پر ایک دیوتا کا بُت ہاتھی پر سوار کر کے ہر گاؤں میں پھرایا جاتا تھا اور اس موقع پر تلک نے ایک تحفظ ''گاؤ کشی'' (ANTI KILLING COW COMMITTEE) مجلس قائم کی جس کی تمام ہندوستان میں شاخیں قائم کر دی گئی۔ اس ہیجانی کیفیت میں مسلمانانِ ہند نے پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے رجوع کیا۔ اور ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کو بدیں الفاظ ''مجلس دادخواہی مسلمانان بریلی'' کی طرف سے استفتا بھیجا گیا کہ جناب والا دعویٰ قربانی کے جواب میں

(۱) رسائل رضویہ ۲۲/۲۲۰ مطبوعہ لاہور، فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۴ ص ۵۵۷ تا ۵۵۸

ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کتاب مذکورہ میں قربانی گاؤ کی ہدایات نہیں ہے، مدعی خلاف اس کے بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے جس کے ''دھرم شاہ'' میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے، چوں کہ یہ بیان ان کے متعلق قرآن شریف و مسائل مذہب کے لئے ہے، لہٰذا علماء کی خدمت میں یہ استفتا ہے کہ یہ بیانِ ہنود صحیح ہے یا غلط؟۔

اس استفتا کا بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پھر مفصل جواب لکھا۔ تفاسیر قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ سے قربانی گاؤ ثابت کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ ''ہائی کورٹ نے مقدمہ قربانی نمبری ۶۷۸ میں تاریخ ہنود زمانہ پیش سے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں'' گیومیدہ ''یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے اور متقدمین ہنود نے اس کی تاکید کی تھی۔ تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنی ''وید'' اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دُکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں مزاحمت بے جا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح بھی انہیں اختیار نہیں ہے۔

ہمارے مذہب میں اس کا جواز اور ہنود کے یہاں ممانعت ایک پلہ میں نہیں ہماری اصل شریعت یعنی قران میں اس کا جواز ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح ہے۔ ان اللّٰہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃً. یعنی ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو''۔ اور ہنود کے مذہب میں اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ کتب ہنود گواہی دیتی ہیں کہ

(۱) سورۃ البقرہ، آیت ۶۷

پیشوایان ہنود بھی گائے کا مزا چکھنے سے محروم نہیں رہے"۔ (۱)

زیر نظر فتویٰ "انفس الفکر فی قربان البقر" فاضل بریلوی کی نوعمری (صرف ۲۶ سال) کا تحریر کردہ ہے۔ شہر سے دور دیہات میں اور کتابیں پاس نہ ہونے کے باوجود سات آیات کریمہ، گیارہ سے زاید احادیث طیبہ، چار کتب فقہ کی عبارات اور دیگر کثیر دلائل وشواہد کا پیش کیا جانا آپ کے استحضارِ علمی اور "قائما بالقسط" عالم ہونے کی روشن دلیل ہے۔

استفتائے مسلم لیگ بریلی:

پھر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہ) سے ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں ضلع مسلم لیگ بریلی کے جوائنٹ سیکریٹری سید عبدالودود کے توسط سے اس مسئلہ کو بدیں الفاظ پیش کیا۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انہوں نے ایک بہت بڑی عرض داشت گورنمنٹ کو پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے۔ جس پر کروڑوں باشندگانِ ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سے دستخط کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا حکم کیا ہے؟ اور اس مذہبی رسم کے جو

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ج۲، ص۲۹۱

شعائر اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گناہ گار اور عند اللہ مواخذ دار ہیں یا نہیں؟۔

سائل، سید عبدالودود

جوائنٹ سیکریٹری مسلم لیگ ضلع بریلی

(۱۳۲۹ھ/1911)

جوابِ محدث بریلی:

چوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلے بھی دو دفعہ اس مسئلہ پر کافی بحث کر چکے تھے، اس لئے آپ نے سہ بارہ مختصراً جواب دینا مناسب سمجھا۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

”فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے، جس کا حکم قرآن میں متعدد جگہ موجود ہے۔ اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرات میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے اور ہنود کی بے جا ہٹ دھرمی بجا رکھنے کیلئے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔“

اسی سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے بھی دیا تھا جو ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں ان کے ”مجموعہ فتاویٰ“ میں شائع ہوا۔ انہوں نے پہلی دفعہ سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا تھا کہ گاؤ کشی

(۱) النفس الفکر فی قربان البقر، ص ۹ مطبوعہ بریلی، مولفہ امام احمد رضا خان بریلوی

واجب نہیں، تارک گنہہ گار نہ ہوگا۔ (۱)

واضح رہے کہ موصوف جس پایہ کے مدرس، شارح، محشی کتب درسیہ تھے، اس مرتبے کے فقیہ نہیں تھے۔ اسی لیے سوالوں کے جوابات میں فقاہت سے کام نہیں لیتے تھے۔ (۲)

مگر جب انہیں سوالوں کے اصل حقیقت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاء خالص سیاسی نقطہ نظر ہے تو انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے کا یہ جواب دیا۔ ''گاؤکشی اسلام کا طریقہ قدیم ہے ترک نہ کریں''۔ جبکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا۔

> ''مولوی صاحب ہنود کے دھوکہ میں آ گئے مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا تنبیہ پر متنبہ ہوئے یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ بہ نگاہ اولین مکر مکاران پہچان لیا۔ اور ''گربہ کشتن روز اول باید'' پرعمل کیا۔ (۳)

بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ صحیح نکلا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ:

ایک طرف علمائے حق اور مسلم لیگ کے لیڈر اس مذہبی شعار کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ دوسری جانب کانگریس اور اس کے حامی نام نہاد مسلمان اس مذہبی

---

(۱) مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی لکھنوی، ج ۲ ص ۱۴۸

(۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، ج 2 ص 122، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری

(۳) ملفوظات مجدد مأۃ حاضرہ موئید ملت طاہرہ، مصطفیٰ رضا خان، ص ۱۷، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور

رسم کو ختم کرانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ اس کی تفصیل مولانا محمد عبدالقادر بدایونی (۱) نے اپنے کتابچہ "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام" (۲) میں بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "۵ نومبر ۱۹۱۳ء کو مشیر حسین قدوائی نے روزنامہ ہمدرد میں ایک مضمون چھپوایا تھا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ چوں کہ "اجودھیا" ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہ یہاں ہندوؤں کی خوشنودی کیلئے گائے کی قربانی موقوف کر دیں۔ نومبر ۱۹۱۳ء ہی میں مسٹر مظہر الحق صاحب نے ہمدرد دہلی میں یہ اپیل شائع کروائی تھی کہ مسلمانان کانپور اور اجودھیا والے گائے کی قربانی نہ کیا کریں۔ پھر ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کے زمانے میں سیاسی پلیٹ فارم سے ہندوؤں کے خاطر گائے کی قربانی نہ دینے کی

(۱) تصور پاکستان، ایک تحقیقی جائزہ، ص ۲۲، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود

وضاحت: معروف محقق سید رئیس احمد جعفری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تحقیق کے مطابق زیر بحث رسالہ کے مصنف مولانا عبدالقدیر بدایونی ہیں: مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ "اوراقِ گم گشتہ" مصنفہ سید رئیس احمد جعفری، لاہور ۱۹۶۸ء، اقبال ریویو کراچی شمارہ جنوری ۱۹۷۳ء۔ اور "تصور پاکستان، ایک تحقیقی جائزہ" مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود، مطبوعہ ادارہ مظہر الاسلام لاہور۔

(۲) "ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام" یہ رسالہ کل 58 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ آخری چار صفحات تقسیم ہند کی تجویز سے متعلق ہیں۔ باقی ۵۴ صفحات گائے کی قربانی سے متعلق فقیہانہ اور فاضلانہ بحث پر مشتمل ہے۔

زیر بحث رسالے میں فقیہانہ مہارت کے ساتھ آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی اور کتب فقہ سے استشہاد واستدلال کیا گیا ہے۔ مصنف نے مسٹر مبشر حسین قدوائی، مسٹر مظہر الحق، مولوی فضل الحسن، حسرت موہانی، حکیم اجمل خان، مولوی عبدالباری فرنگی محلی وغیرہم پر تنقید کرتے ہوئے اور ان کی تحاریر اور تقاریر سے دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہوئے ان کی گرفت کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مندرجہ بالا اشخاص میں سے بجز مولوی عبدالباری صاحب کے کوئی ایک بھی ایسا بھی نہیں ہے جو اصولِ فقہ سے کچھ بھی واقف ہو، اس لئے شریعت کی درگاہ میں ان کا شمار جہلاء میں ہے اور نہ

ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مطالبہ کیا۔ صدر کانگری پنڈت مدن موہن مالویہ اور صدر مسلم لیگ حکیم اجمل خان نے اس وقت اس قسم کے مطالبات کئے جو نہایت حیرت ناک تھے۔ (☆)

خود مولانا حسرت موہانی نے "کٹار پور" جا کر یہ کوشش کی کہ مسلمان ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں اور اسی طرح دسمبر ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوشش سے مسلم لیگ نے یہ "ریزولیشن" پاس کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کر دیں۔ اس موقع پر ہندوستان کے ممتاز عالم دین اور مفتی مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دیں۔ ۱۹۱۹ء میں حکیم محمد اجمل خان دہلوی نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں، کاشی، اجودھیا، متھرا اور بندرابن وغیرہ میں گائے کی قربانی فوراً ختم کر دی جائے اور ایک کمیٹی بنائی

بقیہ حاشیہ، صفحہ 44......ہی دینی مسائل میں ان کا قول قابل اعتماد ہے نہ ان کا فعل لائق تقلید"۔
حکیم اجمل خان کی گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے ان کی فقہی غلطی یہ ہے کہ قربانی کو محض سنت بتلاتے ہیں، حالانکہ جمہور ائمہ مذاہب مثلاً امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام زفر، امام الحسن اور ایک روایت میں ابو یوسف (رضی اللہ عنہم) اس کو واجب بتاتے ہیں۔

(۲) حکیم اجمل صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں بکری کی قربانی کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت شدہ ایک حدیث میں تغیر کر کے لفظ "بالشاۃ" (یعنی بکری) کا اضافہ کر دیا تھا، انہوں نے ان کی سخت گرفت کی اور اصل حدیث کا متن پیش کر کے کہا کہ یہ "ایک مسلمان کے شایانِ شان نہ تھا کہ حضور اکرم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے"۔

(۳) حکیم اجمل صاحب نے بھیڑ (کبش) کی قربانی کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے جو حدیث پیش کی تھی، اس پر بھی فاضل بریلوی نے جرح کی اور اسے دلائل سے مجروح قرار دیا۔

☆ مجلہ النورص ۱۲، مطبوعہ علی گڑھ، مولفہ مولانا سید سلمان اشرف، بہار ۱۹۲۱ء

جائے جو تمام ہندوستان میں گائے کی قربانی بند کرانے کی کوشش کرے۔ یہ کانگریسی لیڈر گاندھی کی کھلی ہوئی ہمنوائی تھی۔ مسٹر گاندھی نے ایک بار یہ اعلان کیا کہ (ہندوستان کے طول وعرض میں ایک بھی ہندو ایسا نہیں جو کہ ایک نہ ایک دن اپنی سرزمین کو گائے کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو"۔ (۱)

مولانا شبلی کا غلط فتویٰ:

مولانا شبلی نے یہ فتویٰ دیا کہ ترکوں کی ہمدردی میں گاؤ کی قربانی کے بجائے قیمت دی جائے۔ لیکن ان کے شاگرد مولانا سید سلمان ندوی نے اپنے استاد کا ساتھ نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ قربانی کے لیے "اراقۃ الدم" کا پایا جانا ضروری ہے، بہت سے لوگ جانور کے بدلے اس کی قیمت صدقہ کر دیا کرتے ہیں یہ مناسب نہیں۔ قربانی کے ثواب سے محرومی رہے گی۔ (نوری)

حیرت تو یہ ہے کہ اُس وقت مسلم لیگ کے ایک لیڈر حکیم اجمل خان دہلوی نے محض شہرت عام اور ہنود کو خوش کرنے کے لئے حدیث شریف کے الفاظ میں بھی تحریف کر ڈالی تو اس نازک موقع پر اعلیٰ حضرت اور اُن کے خلفاء اور تلامذہ ومعتقدین بالخصوص پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے رسالہ ماہنامہ "النور" میں حکیم اجمل کا بھرپور تعاقب کیا اور ان کے علم حدیث سے عدم واقفیت کی خوب خوب خبر لی گئی اور انہیں توبہ کرانے پر مجبور کر دیا گیا۔

پھر ۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ اس فتنہ کو چوتھی دفعہ اٹھایا گیا تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء وتلامذہ نے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً گل کر دیں۔ پھر اس کے بعد

(۱) اثباتِ ذبیحہ، ص ۱۱ تا ۱۵، علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ کھاریاں، گجرات

بھی ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہر بار اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ نے ان کی مذموم کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ (۱)

فاضل بریلوی کے علاوہ آپ کے خلفاء، محبین بالخصوص مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی، پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت اور مولانا سید نعیم الدین محدث مراد آبادی اور مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہم الرحمٰن نے اس مسئلہ پر مستند کتابیں اور رسائل تحریر کیے۔ (۲) اور ''قربانی گاؤ'' اور ''تحفظ گاؤ کشی'' کے علاوہ وقت کے دیگر مسائل مثلاً واقعہ مسجد کانپور' میثاق لکھنؤ' علی گڑھ کالج پر متحدہ قومیت کے پرستاروں کی یلغار اور تحریک عدم تعاون کے موقف پر قوم کی رہبری اور رہنمائی کی۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

واقعہ کانپور، فاضل بریلوی کی دینی وسیاسی بصیرت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے عہد میں ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا المیہ سامنے آیا۔ اس خونی سانحہ کا اثر تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا کانپور محلہ مچھلی بازار میں یہ مسجد اگر بر سر راہ تھی تو اس سڑک پر ایک مندر بھی تھا جو اے۔ بی روڈ کا مندر کہلاتا ہے۔ ہندوؤں نے چالاکی سے انگریز سے ساز باز کر کے مندر کو بچالیا۔

مسجد کانپور کے المیہ کے بارے میں مورخین روایت کرتے ہیں کہ فروری ۱۹۱۳ء میں ''مسجد کانپور کا واقعہ ہندوستان کی تاریخ میں انگریزی مظالم کی بدترین مثال تھی۔ انگریز نے شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لئے ابتدائی طور پر غسل خانوں کی زمین کو حاصل کیا اور

(۱) انوارِ رضا، ص ۴۹، لاہور

(۲) ۲۰۰۲ء میں واجپائی حکومت نے اس مسئلے کو از سر نو زندہ کیا اور ہندوستان کے اکثر صوبہ جات میں گاؤ کشی پر سخت پابندی عائد کردی گئی۔ (نوری غفرلہ)

مسلمانانِ کانپور چیختے رہے کہ مسجد کا جزو ہونے کی وجہ سے غسل خانوں کی یہ اراضی قانوناً حاصل نہیں کی جاسکتی ہے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ آخر وقت میں مسلمانانِ کانپور نے گورنمنٹ (یعنی انگریز گورنر) سے رجوع کیا مگر گورنمنٹ نے اس واقعہ کو معمولی بات سمجھ کر مداخلت سے انکار کردیا۔ کانپور کا انگریز کلکٹر اس زمانہ میں مسٹر ''ٹائلر'' اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے چیئرمین مسٹر سم تھے۔ ان کی تحریک پر پولیس کی مدد سے مسجد کے غسل خانے منہدم کردیئے گئے اور مندر کو اس طرح رہنے دیا گیا۔ اور امپرومنٹ ٹرسٹ نے برائے نام قبضہ لے لیا۔ اور اس انہدام کی خبریں اخبارات میں شائع ہونے پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور تمام مسلمان لیڈر دیکھتے رہے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے اس کارروائی سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے اور اخباروں میں اس کارروائی پر احتجاج کیا گیا۔ بالآخر ۳ اگست ۱۹۱۳ء کانپور اور ہندوستان کے مسلمان زعماء مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی (مدرس اوّل مدرسہ الٰہیات کانپور) نے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور جوشیلی تقریر سے مسلمانوں میں جوش وخروش پیدا کیا اور یہ طے کرایا کہ یہاں سے سب لوگ چل کر مسجد کی طرف چلیں اور ٹوٹے ہوئے حصے کو انہیں اینٹوں سے چننا شروع کردیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پُرجوش مسلمانوں نے جن میں بچے، نوجوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے، نے مسجد کا رخ کیا اور مچھلی بازار کانپور کی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور منہدمہ غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر مسالہ یا گارے کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کردیں۔ انگریزی ڈپٹی کمشنر اور مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر ان نہتے مسلمانوں پر فائر کھلوا دیا جس میں بے شمار مسلمان مرد، بچے، عورتیں شہید ہوگئے اور بہت سوں کو گرفتار کرکے کانپور کے تنگ جیل میں پھینک دیا گیا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اس وقت مسلمان کانگریسی لیڈروں کا دوغلا کردار سامنے آیا۔ اس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف مسجد کی بازیابی

کیلئے جلسے جلوس ہونے لگے۔

جناب رئیس احمد جعفری اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"بالآخر علمائے کرام، مشائخ عظام اور زعماء میدان میں آ گئے اور ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمانان کانپور اور ہندوستان کے سخت دباؤ پر مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ انگریز لیفٹنٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہیں خواہ وہ غسل خانہ ہو، سیڑھی یا منبر اس لئے مسجد کے کسی بھی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا ہے"۔(۱)

اور اس مسجد کے حوالے سے جو فتویٰ مولانا آزاد سبحانی کی صدارت میں لکھا گیا تھا۔ اس فتویٰ کی موافقت میں بریلی، بدایوں، اور فرنگی محل لکھنؤ سے بھی فتوے شائع ہوئے کہ مسجد مال وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابل انتقال نہیں شرع اسلامی کی رو سے مسجد یا اس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ خلاف شریعت ہے بریلی سے مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتوے نے واضح کر دیا کہ ایک عالم دین کے سیاسی تدبر اور لیڈر کی سیاسی سوچ میں کتنا فرق ہے؟ لیڈری اور سیاست یہ ہے کہ اصل حکم خداوندی سے مطابقت ہو یا نہ ہو، زمانے کا رخ دیکھ کر باتیں کی جائیں اور ذاتی مفاد حاصل کیا جائے، جبکہ عالم دین کی سیاست یہ ہوتی ہے کہ نہ مصلحت وقتی اس کے آڑے آ سکتی ہے اور نہ ہی کسی حاکم کا رُعب اس کو حق بات کہنے سے منع کر سکتا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے ڈرتا ہے اور اس کی توجہ احکاماتِ الٰہیہ پر ہوتی ہے، چنانچہ مسلمانوں نے گورنر کو بذریعہ تار اپنے جذبات سے آگاہ کیا لیکن یہ بھی صدا بصحرا ثابت ہوا آخرکار

(۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۲۵۰ ج ا، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو سر علی امام، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور راجہ صاحب محمود آباد پھر انگریز گورنر سے ملے اور مندرجہ بالا شرائط پر یہ بات طے ہوئی۔ (۱)

اوّل: مسجد کی سطح چوں کہ زمین سے کئی فٹ بلند تھی، اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے۔ مگر نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تا کہ راہ دار اس پر سے گزر سکیں۔

دوم: فوج داری کا وہ مقدمہ جس میں مسلمان ملزم سیشن سپرد ہو چکے تھے اور جس کی سماعت کے لئے مسٹر ڈی۔ آر۔ لائل کی عدالت میں تاریخ مقرر تھی وہ اٹھا لیا جائے گا شہیدوں اور مظلوموں کو مالی امداد دی جائے گی لیکن مسجد کا جو حصہ توڑ دیا گیا ہے وہ اب اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا اور مسلمان اس کو دوبارہ بنوانے پر اصرار نہیں کریں گے اور ساتھ ہی اور جملہ ملزمان بری کر دیئے جائیں گے"۔ چنانچہ وائسرائے ہند نے بعض قیدیوں کو چھوڑ تو دیا لیکن مولانا عبدالباری اور مسلمان لیڈروں نے اس رہائی کے بدلے مسجد کے اس حصہ کو چھوڑ دینے کا اعلان کیا جس کی وجہ سے یہ آگ لگائی گئی تھی اور ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور زخمی ہونے کی نوبت آئی تھی پھر مظاہرین کی گرفتاریاں بھی ہوئیں اور وہ قید و بند میں گرفتار ہوئے تھے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

چونکہ اس سمجھوتہ میں اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں" کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی تھی اور مسلمان فریق میں شامل حضرات میں سے واحد عالم دین صرف مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے، اس لئے قدرتی طور پر علماء اور عوام نے اس معاہدے کو رد کر دیا اور فیصلہ کی تردید میں کافی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور علماء حق کے

(۱) علی برادران، ص ۳۶۰، لاہور

دردبھرے قلوب تڑپ اٹھے۔ مولانا عبداللہ ٹونکی بہاری، صدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ مصنف رسالہ ''عجالة الراكب في امتناع كذب الواجب'' اوردوسرے علماء نے جب مولانا عبدالباری اوردوسرے لیڈروں پر اعتراض کیا کہ یہ فیصلہ غلط ہوا ہے، خلافِ شرع مصالحت کی گئی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے اور ایک گول مول فتویٰ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی روانہ کردیا اور سمجھا کہ اس کا جواب شاید اُن کے حق میں ہوگا لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا۔

امام احمد رضا نے جواباً لکھا کہ جب ایک عالم کو یہ اعتراف ہے کہ یہ کارروائی احکام اسلامیہ کے خلاف ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہوسکتا ہے؟۔ اس فیصلے میں مذہبی دست اندازی کی گئی ہے، مسلمانوں کے نزدیک یہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہے اور اس کا قبضہ مسلمانوں کو حاصل ہونا چاہیے۔

اس موقع پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصنیف ''ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری'' نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، امام احمد رضا کے دوستوں میں تھے، ان کے ساتھ مراسم قدیمہ تھے لیکن جب بیانِ مسئلہ (عبدالباری کی مصالحت میں مضمر خرابی کا اظہار) شرعیہ کا آیا تا انہوں نے اظہارِ حق میں کوئی تکلّف نہیں کیا۔ چنانچہ مسئلہ ھذا کے بیان کی ابتداء میں وہ خود فرماتے ہیں:

''امید واثق ہے کہ جوابِ سوال میں اظہارِ حق سنگِ راہِ قدیمہ نہ ہوگا۔ (۱)

اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف میں مزید لکھا کہ:

''وقف بالعوض یا بلاعوض قابل انتقال نہیں'' کے ثبوت میں قرآن اوراحادیث مبارکہ اور فقہی دلائل و براہین کے انبار لگادیے۔ اعلیٰ حضرت نے پچاس دلائل قاہرہ پیش کیے

(۱) رسالہ ''ابانۃ التواری فی مصالحۃ عبدالباری''، فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۶ص ۳۷۲، مطبوعہ مرکز اہلسنّت برکات رضا، پوربندر انڈیا

اور وقف کے ہر پہلو کو واضح فرمایا کہ مخالفین کو بھی اعتراف وقبول کے بغیرہ چارہ نہیں رہا تھا۔
مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ان کے دوستوں ابوالکلام آزاد وغیرہ نے دفاع کرنے کی ناکام کوشش اور ''جامع جزئیاتِ فقہ'' کے نام سے ایک چھ ورقی رسالہ شائع کیا۔ اعلیٰ حضرت کے ایک عظیم معروف خلیفہ اور شاگرد شیخ المدرسین مدرسہ منظر اسلام بریلی، مولانا حکیم ابوالعلاء امجد علی اعظمی نے بزبان عربی جواباً ''قـــامـــع الـواهيـات من جامع الجزئيات'' شائع کیا اور مزید دو سو دلائل پیش کر کے مولانا فرنگی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا(1) کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم جماعت کسی عالم کو اعلیٰ حضرت کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوسکی۔ اس طرح مسجد کانپور کی حیثیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کوششوں سے ہمیشہ کے لئے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہوگئی۔ اخباروں میں بکثرت مضامین اس پر اطمینان کے شائع ہوئے۔ روہیل کھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں نواب مشتاق احمد امروہی نے اپنے کالم میں لکھا کہ مولانا احمد رضا خان کے فتوے کے بعد اس مسئلے کے مذہبی پہلو کے تحفظ سے ہم کو بالکل مطمئن ہو جانا چاہیے۔

اس واقعہ کے حوالے سے مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی جس مسئلے میں ایک رائے قائم کر لیتے تھے اس میں کبھی تغیر وتبدل کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بخلاف اور لیڈروں، سیاسی علماء کے کہ ان کی تحقیقات کا سایہ ابھی پچھم ہے ذرا دیر میں پورب کی طرف ہوگیا۔ جس طرح پہلے مولانا شبلی نعمانی نے وائسرائے ہند کی مخالفت کی اور پھر بعد میں یہ لکھا:

گرچہ مدح امراء میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکر احسان مگر فطرت انسانی ہے

تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراق سپاسی
ان میں یہ پیشکشِ شبلی نعمانی ہے

اس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شرعی فیصلے اور آپ کے فتوے کے اثرات معاشرے اور حکومتی سطح پر تا بدیر قائم رہے اور یہ فتاویٰ آج بھی اسی طرح مسلمہ ہیں اور انشاءاللہ تا حشر باقی رہیں گے۔

میثاق لکھنؤ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا موقف

میثاق لکھنؤ:

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان معاہدات میں سے ''میثاق لکھنؤ'' جسے ''لکھنؤ پیکٹ'' بھی کہا جاتا ہے، ایک اہم سیاسی معاہدہ ہے۔ اس معاہدے کی صدارت ''سریندر ناتھ بنر جی'' نے کی اور مسلم لیگ کی طرف سے محمد علی جناح اور راجہ محمود آباد نے صدارتی فرائض انجام دیئے۔ مطالعہ پاکستان کے مؤلفین یہ لکھتے ہیں کہ میثاق لکھنؤ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک حقیقت پسندانہ اور منصفانہ سمجھوتہ تھا، جس سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ حکومت برطانیہ کو ایک مشترکہ تجویز دی گئی تھی۔

اس مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی سیاسی بصیرت کام آئی۔ اس میثاق کی تفصیلات محمد احمد خان اپنی تصنیف ''اقبال کا سیاسی کارنامہ'' میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوشش شروع ہوئی اور بالآخر ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین وہ معاہدہ

طے پایا گیا جو ''میثاق لکھنؤ'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میثاق کو ہندوستانی سیاست میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا تھا اور صوبائی مجالس مقننہ میں مسلم نشستوں کا اسی طرح تعین کیا گیا تھا کہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں ان کی آبادی کے تناسب سے کچھ نشستیں گھٹا دی گئی تھیں اور جہاں وہ اقلیت میں تھے وہاں ان کو آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں دی گئی تھیں۔ یہ بھی طے پایا تھا کہ مرکزی مقننہ میں ۵۰۴ منتخب شدہ اراکین اور مسلمان اراکین کا تناسب منتخب شدہ اراکین کے ایک تہائی کے مساوی ہوگا اور اس امر پر بھی راضی نامہ ہو چکا تھا کہ اگر کسی جماعت کے تین چوتھائی اراکین کسی مسودہ قانون یا تحریک کی مخالفت کریں تو ایسا مسودہ قانون یا تحریک ایوان میں پیش نہیں کی جاسکے گی''۔

بظاہر یہ دلکش اور مفید ''میثاق لکھنؤ'' اپنے اندر بہت سے مضمرات لئے ہوئے تھا۔ جو کسی وقت بھی مسلمان قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔ اس لئے اس وقت کے ہمدردِ ملت مسلم زعماء کو تفکرات لاحق ہوئے۔ اُن میں حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پیش پیش تھے، جنہوں نے اس کی شدید مخالفت کی، جیسا کہ مولانا عبدالمجید سالک ''ذکر اقبال''، ص ۱۰۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء میں رقم طراز ہیں:۔

علامہ اقبال کا موقف:

''علامہ اقبال اس میثاق کے شدید مخالف تھے، کیونکہ اس کے ماتحت

مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو موثر اقتدار نہ ملتا تھا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں پاسنگ کی وجہ سے ان کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا تھا اس کے علاوہ علامہ (اقبال) کا خیال یہ تھا کہ ایسا میثاق اسی صورت میں مفید ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی داغ بیل ڈالنا منظور ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی تعمیر ناممکن ہے اور نہ ہی اس وقت اس کے لئے کوئی کوشش کرنا مفید ہے''۔

جبکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے اس معاہدہ کی مخالفت اسی بناء پر کی تھی کہ یہ در پردہ مسلم قومیت کو ختم کرنے کی ایک خطرناک سازش وکوشش تھی۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اس مثبت سوچ اور غور وفکر پر ممتاز مسلم لیگی رہنما مرحوم سید ہاشم رضا لکھنوی جو قیام پاکستان کے بعد کراچی شہر کے میئر بھی رہے، بیان کرتے ہیں کہ:

''۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کے ذریعے جو ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی گئی تھی۔ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے شدید مخالفت کی تھی اور ہندو مسلم کی الگ الگ قومیت کا نعرہ بلند کیا تھا۔ (۱) اور آنے والے حالات نے یہ ثابت کردیا کہ مولانا بریلوی اور علامہ اقبال کا موقف ہی درست اور صحیح تھا۔

اسی طرح ہندوستانی سیاسی تحریک میں دو نام نہاد تحاریک ''تحریک خلافت اور تحریک ترکِ موالات یا عدم تعاون'' کا بھی ذکر آتا ہے۔ اس کے لیڈروں میں صرف مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی ذات گرامی ہی ایسی تھی جو ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما کے طور پر

(۱) ماہنامہ اظہار کراچی۔۱۹۸۶ء، مقالہ سید ہاشم رضا

مسلمہ حیثیت رکھتی تھی۔

رہ گئے مولانا ابوالکلام آزاد تو ان کو فاضل بریلوی عالم ماننے کو تیار نہیں تھے۔ (۱) دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ اور سیاسیات عالیہ پر عبور رکھتے تھے۔

چنانچہ جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نظر سے گزرے تو ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ خط و کتابت کے ذریعے افہام و تفہیم چاہی لیکن مولانا فرنگی محلی پر گاندھی کی اندھی عقیدت کا نشہ اس قدر شدت سے طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بارآور ثابت نہ ہوئی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر ایک فتویٰ "الطاری الداری لھفوات عبدالباری" مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے رد میں جاری کیا اور ذرا سخت لہجے میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو حضور ﷺ کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ ان پر واضح کیا کہ مولانا آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کوئے یار کی طرف نہیں بلکہ وادیٔ کفار کی طرف ہے۔ چنانچہ اپنے ایک فتویٰ میں مولانا فرنگی محلی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دانم نہ رسی بکعبہ اے پشت براہ کیں کہ توئی روی بہ انگلستاں است"۔ (۲)

" الکفر ملتہ واحدۃ " کے تحت ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی کی کوئی تمیز نہیں، یہ ہمیشہ سے ایک ہیں اور اسلام کے خلاف ایک ہی رہیں گے، لہٰذا ہندو مسلم بھائی کا نعرہ لگانا چھوڑ دیں۔

---

(۱) حیاتِ مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص ۱۲۲ تا ۱۲۷، مصنفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی

(۱) فتاویٰ رضویہ (جدید) ج ۶ اص ۳۰۷، مطبوعہ پوربندر، انڈیا

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اس دور کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''سیاسی اعتبار سے جہاں تک سلطنت عثمانیہ، مقامات مقدسہ اور سلطان المسلمین کی حاکمیت تسلیم کیے جانے کا تعلق ہے، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی دوسرے مسلمان لیڈروں سے قطعی متفق تھے، انہیں تو صرف اُن کے اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلہ میں گاندھی کے زیرِ اثر اور زیرِ قیادت اختیار کیا گیا تھا۔ مسلمان لیڈروں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیاں کیں تھیں جن کی تلافی مدتوں تک نہ ہوسکے گی۔ ''الطاری الداری لھفوات عبدالباری'' میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو غیرت دلائی تھی اور ثابت کیا تھا کہ مولانا آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک علمی دینی روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبدالباری کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ صراطِ مستقیم پر واپس آ گئے۔ چنانچہ مولانا عبدالباری نے روزنامہ ''ہمدم'' لکھنؤ میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ میں شائع فرمایا:

''میں نے بہت گناہ کئے اور بہت سے نادانستہ، سب کی توبہ کرتا ہوں۔
اے اللہ! میں نے وہ امور قولاً و فعلاً، تقریراً و تحریراً جو بھی کئے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ہے۔ ان سب سے اور ان کے مانند امور سے بھی جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لئے کوئی قدوہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کبھی بھی ہندوؤں اور غیر مسلموں سے اتحاد و دوستی نہیں رکھوں گا۔ اے اللہ! میری توبہ قبول کر'' اور مجھے توفیق

دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں"۔ (۱)

یہاں تک نوبت محض اس لئے پہنچی کہ تحریکِ خلافت کی قیادت ابتداء سے انتہاء تک مہاتما گاندھی کے ہاتھوں میں تھی، حتیٰ کہ کانگریس نواز عالم ابوالکلام آزاد قولاً وعملاً گاندھی جی کے ہمنوا ہو چکے تھے۔ (۲)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا یہ فتویٰ۔ ایک جلیل القدر عالم دین کو راہ راست پر لانے میں کس قدر موثر ثابت ہوا؟ بقول صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، حضرت مولانا عبدالباری کے اس توبہ کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے "الطاری الداری" کے تمام نسخے جلا دینے کا حکم دیا اور ایسا ہی ہوا۔ (۳)

واضح رہے کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا امجد علی اعظمی کی موجودگی میں توبہ نامہ چھپوایا تھا۔

اسی طرح مسٹر گاندھی نے مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے ساتھ مل کر علی گڑھ کالج (۴) کے خلاف ایک سازش تیار کی تھی یہ کالج شروع ہی سے مولانا محمود الحسن دیوبندی المعروف اسیر مالٹا اور ان کے ہم نوا علماء کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس "بت" کو ڈھا دیا جائے۔ آخر مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود الحسن دیوبندی اسیر مالٹا اور ابوالکلام آزاد نے پروگرام بنایا اور مسلمانوں کے قائم کردہ علی گڑھ

---

(۱) روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ، ص ۳ کالم ۴، ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء

(۲) تحریک خلافت، ص ۲۵۳، از قاضی محمد عدیل عباسی، مطبوعہ قومی کونسل نئی دہلی

(۳) روزنامہ "ہمدم"، مئی لکھنؤ ۱۹۲۱ء، بحوالہ حیات صدر الافاضل، ص ۳۲، لاہور

(۴) اس کالج کو دسمبر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کی حیثیت دی گئی۔ (نوری)

کالج، اسلامیہ کالج لاہور اور دیگر گنے چنے کالجوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علی گڑھ میں اڈہ جمالیا۔ کالج کے طلباء کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے ارشاد فرمایا:

''میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو آپ کے سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کی عمارتوں، کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے''؟

مولانا محمود الحسن کے فتاوے ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی نام نہاد مجاہدین نے کالج پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی اور فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری وغیرھم پر کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل تباہی اور شکست وریخت سے بچ گیا (۱)۔ اور بعد میں

(۱) علی گڑھ کالج کے بانی سر سید احمد خان کے معتقدات سے علمائے اہلسنت بشمول حضرت فاضل بریلوی کا سخت اختلاف ایک تاریخی حقیقت ہے مگر کالج کے طلبہ کی تعلیم اور تعلیمی مدارس کی سرپرستی اور حمایت کا فریضہ نہایت دل سوزی کے ساتھ انجام دیا۔ فاضل بریلوی نے سید احمد خان علی گڑھی کے بارے میں اپنے مجموعہ فتاویٰ میں لکھا ہے:

''ایک شخص قومی ترقی، قومی اصلاح بہروپ بدل کر نکلا۔ جملہ کتب تفسیر وفقہ وحدیث سے انکار کیا۔ تمام ضروریاتِ دین سے منہ موڑا اور بکا کہ نہ حشر ہے نہ نشر، نہ دوزخ نہ بہشت، نہ فرشتہ ہے، نہ جبریل نہ صراط''۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۶ ص ۸۲ تا ۸۶، مطبوعہ مبارک پور، اعظم گڑھ / حیاتِ جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی)

اس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی اور اس کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

ڈاکٹر احسان رشید سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی کے والد پروفیسر رشید احمد صدیقی جو اس وقت کالج میں پروفیسر تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

''۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ ''گائے کی قربانی'' اور ''موالات'' پر بڑے بڑے جید علماء اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے، اس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہوگیا؟ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی، مرحوم (پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری) مطعون ہو رہے تھے، لیکن چہرہ پر اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔ کہتے تھے، رشید! دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے؟ بالآخر مولانا سلیمان اشرف نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے اور مجھے کہتے اس کو کہتے ہو ہڑگم اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے؟ اور میں یوں ہی ہانکتا ہوں۔ یہ بات نہیں، ہم تم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر؟''(۱)

سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا، لیکن سلیمان اشرف مرحوم نے اس

(۱) گنج ہائے گرانمایہ، ص ۲۰-۱۹، مولفہ پروفیسر رشید احمد صدیقی، مطبوعہ آئینہ ادب لاہور

عہدِ سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی۔ اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا اور آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علماء سیلاب کی زد میں آ چکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے''۔

علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج لاہور کی طرف رخ کیا اور اس گروہ کا قائدہ وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور سانس گاندھی جی کی اندھی تقلید کیلئے وقف تھا یعنی ابوالکلام۔

اعلیٰ حضرت بریلوی نے ہندوستانی سیاست میں اس قائد کے طرزِ عمل کو مسلمانانِ ہند کے لئے نقصان دہ اور ان کے سیاسی مفاد کے خلاف قرار دیتے ہوئے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کا بھرپور تعاقب کیا۔ (۱)

غرض کہ ابوالکلام، ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہم نوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ابوالکلام کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے بھی لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان ابوالکلام کے حق میں رائے دیتے، سر شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ اور علمی دلائل سے بھرپور تقریر سے انہیں جواب دیا۔

اس کے بعد انجمن حمایت اسلام نے جس کے اس وقت سیکریٹری جنرل حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال تھے، یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقہ اثر سے باہر ہوں اور ''اعلائے کلمۃ الحق'' جن کا شعار ہو۔ چنانچہ مولوی حاکم علی صاحب

---

(۲) مشرق گورکھپور، شمارہ ۱۳، جنوری ۱۹۲۱ء

پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور نے ایک ''فتویٰ'' ترتیب دیا اور تصدیق کے لئے مختلف علماء کی خدمت میں ارسال کیا جن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی شامل تھے۔۔

ذیل میں پروفیسر مولوی حاکم علی کا ترتیب دیا ہوا فتویٰ اور وہ خط ملاحظہ ہو جو مولوی صاحب نے اس فتویٰ کے ساتھ فاضل بریلوی کو ارسال کیا تھا۔

یہود، ہنود اور نصاریٰ سے تعلقات کی نوعیت پر فاضل بریلوی سے استفتاء

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ 'تولیٰ' سے منع فرمایا ہے، مگر ابوالکلام آزاد ''تولّی'' کے معنی معاملت اور ترکِ موالات کو ترکِ معاملت قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے کی جارہی ہے۔

مذکورہ (ابوالکلام آزاد) نے ۲۰ اکتوبر کو (انجمن حمایت اسلام) کی جنرل کونسل کی میٹنگ میں تشریف لاکر یہ اعلان کردیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطعاً الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی یعنی انگریز حکومت کا سیاسی اور مذہبی سطح پر مقاطعہ نہیں ہوسکتا اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ علامہ ابوالکلام آزاد کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملات قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں۔ مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہورہا ہے۔ مولوی محمود الحسن صاحب اور مولوی عبدالحئی صاحب تو دیوبندی کے ہیں، زبردستی فتوے اپنے مدعا کے دیتے ہیں، لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔ میرے فتویٰ کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں، لہٰذا میں فتوی دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے

ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے"۔

مندرجہ بالا فتویٰ کو حاکم علی صاحب نے ایک خط کے ساتھ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا تا کہ وہ اس کی تصدیق وتائید فرمادیں۔ خط حسب ذیل ہے۔

آقائے نامدار مؤید ملت طاہرہ

امام احمد رضا خان صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہذا پر فتوی مطالعۂ گرامی کے لئے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس 31 اکتوبر 1920ء کو ہونا قرار پایا ہے، اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیو بندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔

للہ عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھ سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

نیاز مند دعا گو

حاکم علی

بی۔اے موتی بازار، لاہور

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء (۱)

حضرت فاضل بریلوی نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ "وہ الحاق واخذِ امداد، اگر کسی امر خلافِ اسلام ومخالفِ شریعت سے مشروط، نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا"۔

(۱) مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور/ المحجۃ المؤتمنہ فی آیت الممتحنہ

چنانچہ اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کو حمایت اسلام کی جنرل کونسل کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور ممبران کونسل نے اس فتویٰ کو قبول کر لیا اور یہ عظیم درسگاہ بھی اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ فتویٰ سات صفحات پر مشتمل ہے اور "رسائل رضویہ" جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۸۱ تا ۸۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت فاضل بریلوی کے مذکورہ بالا فتویٰ سے اسلامیہ کالج لاہور بھی نادان دوستوں کی یلغار سے محفوظ ہو گیا بلکہ ان کے ناپاک ارادوں پر حسرت وندامت کی اوس پڑ گئی۔ اس طرح تحریک ترک موالات کے حامیوں میں سے ایک صاحب (مولوی عزیز الرحمٰن، سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائل پور) نے ایک طویل استفتاء مرتب کیا جو حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں بریلی بھیجا گیا۔ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا جواباً ایک مفصل فتویٰ ترتیب دیا جو بعد میں " المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنه "(۱) کے نام سے مشہور ہوا اور یوں دو قومی نظریہ پر ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ برصغیر کے لئے دلیل راہ کا کام دیا۔

اس فتویٰ میں حضرت فاضل بریلوی نے قرآن حکیم کی آیت:

" لا ینهکم الله عن الذین لم یقاتلوا کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبروهم و تقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین " (۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں"۔

---

(۱) یہ پورا فتویٰ رئیس احمد جعفری کی کتاب "اوراقِ گم گشتہ" مطبوعہ لاہور میں موجود ہے۔ اور فتاویٰ رضویہ جدید، ج14 ص419، مطبوعہ پور بندر انڈیا میں بھی موجود ہے۔ (نوری)

(۲) سورۃ الممتحنہ، آیت ۷، پارہ نمبر ۲۸

واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس عنوان پر مفصل بحث کی ہے اور تمام مستند تفاسیر وکتب فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ اور اقوالِ فقہاء وعلماء کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ غیر محارب ہنود کے ساتھ مودت ومحبت جائز بلکہ فرض ہے کے تارو پور بکھیر دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کا ولی اور دوست کافر نہیں ہوسکتا، کیوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔ عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیۂ مبارک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا:

''ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو آیہ کریمہ " لاینھکم " پر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی، آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مساوات ہی کی رخصت دی یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجد المسلمین میں باادب تعظیم پہنچا کر مسند مصطفیٰ ﷺ پر لے جاکر، مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ وہادی مسلمین بناؤ، گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ (۱) اور ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا یعنی معنی نبوت جماؤ۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مزید فرماتے ہیں کہ:

''اگر بغرض باطل ان (رہبران گم کردہ راہ) کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو " لم یقاتلوا کم فی الدین " کا مصداق ماننا آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پران کے سخت ظالمانہ فساد برپا تے ہوگئے؟ کیا

(۱) یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب ''اوراق گم گشتہ'' مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸ء میں شامل کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

کٹار پور، آراء، بہار اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے نکل گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لینے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے"۔(۱)

پھر حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

"یہ ہے ہندوؤں کے ساتھ دوستی کا نتیجہ، ان ہندوؤں نے ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد کیا۔ ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ کیا۔ ۱۹۱۷ء میں بلیا، اعظم گڑھ اور شاہ آباد بہار میں بڑے پیمانے پر مسلمان قتل کئے گئے"۔

حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی نے تحریک موالات اور عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال واقوال کی اپنی تحریروں اور فتووں سے پرزور تردید فرمائی، اور اس طرح آپ نے غیر منقسم ہند میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ میں مرکزی کردار ادا کیا جو آگے چل کر مسلمانوں کی علیحدہ خودمختار مملکت کے مطالبے اور تحریک پاکستان کا محرک بنا۔

---

(۱) ایضاً

باب دوم (الف)

فاضل بریلوی اور تحریکِ خلافت

باب دوم (الف)

فاضل بریلوی اور تحریکِ خلافت

1919ء میں ''تحریکِ خلافت'' اور اس تحریک کے ساتھ ساتھ دو اور تحریکوں کا آغاز ہوا یعنی ''تحریک ترک موالات'' اور ''تحریک ہندو مسلم اتحاد'' جس کا ذکر بعد میں آئے گا اور ماہنامہ ''السواد الاعظم'' مراد آباد، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ میں ان تحریکوں کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مدیر ''السواد الاعظم'' نے تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے اور اظہارِ خیال کے بعض مندرجات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

تحریک خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کے نام پر چلائی تحاریک میں اہل سنت و جماعت کے مخالفین اگرچہ پیش پیش تھے، مگر اہل سنت و جماعت کے بعض علماء بھی اس کے ہم نوا بن گئے تھے، لیکن مخالفین کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی، اس جذباتی دو ر میں اہل سنت و جماعت بالخصوص اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر یہ نام نہاد الزام لگایا گیا کہ وہ تحفظ خلافت اور حفاظت اماکن مقدسہ کے خلاف ہیں، حالانکہ حقیقت حال کچھ اور تھی۔ فی نفسہٖ مخالفت نہ تھی جیسا کہ حضرت فاضل بریلوی اپنے ایک فتاویٰ میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں، البتہ طریقہ کار میں مخالفت تھی۔ مخالفین کی طرف سے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمتہ تحریر فرماتے ہیں کہ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلامی کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے؟ اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے اور قبے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز، وہ اس کے حامی اور مددگار سمجھے جار ہے

ہیں، گرگ اور گلہ کی چوپانی، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (۱)

اس نصیحت وہدایت کے بعد تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ (خلیفہ فاضل بریلوی) مسلمانوں سے یہ دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ:

مسلمانو! ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراط مستقیم پر قائم رہو، جو علماء بلادِ اسلامیہ کے ہم عقائد وہم خیال ہیں، ان کے دامنوں کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، کسی آندھی کا جھونکا کسی طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے، دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن، ہمدردی ومحبت کے گیت گا کر دل لبھانے والے خوں خوار، تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، تم کو اپنے دام فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔

یاد رکھو! سیاسی میدان میں جب کوئی تحریک چلتی ہے اور ہوا دینے والے اس کو ہوا دیتے ہیں تو عوام کی عقل وخرد زائل ہو جاتی ہے اور جذبات کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے، اس وقت خود سمجھ میں آنا تو بڑی بات ہے، سمجھانے سے بھی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، یہی کیفیت تحریک خلافت میں پیش آئی تھی۔ ایک طرف بے تیغ وتفنگ جہاد کی تیاریاں اور دوسری طرف میلوں ٹھیلوں میں عیش کوشیاں، قول وعمل کے اس تضاد سے دردمندوں کو اس تحریک سے کچھ شبہ سا ہوا اور مستقبل نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ شبہ صحیح تھا۔

حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ خلافتی عوام کے قول وعمل کے تضاد پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:۔

(۱) ملاحظہ کیجئے، السواد الاعظم شوال المکرم ۱۳۳۸ھ مراد آباد انڈیا۔

"کون کہتا ہے کہ جہاد فرض نہیں؟ لیکن اپنی طاقت کا دیکھنا بھی تو شرط ہے، ہم نے ہتھیار تو خواب میں بھی نہیں دیکھے، یہ بھی نہیں معلوم کہ بندوق کدھر سے چلائی جاتی ہے؟ اپنے اتحاد واتفاق کا حال ہے کہ دو شخص تو ایک خیال پر جمع ومتفق ہی نہیں"۔

جنگ کا تصور اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب قوم متحد ومتفق ہو، اس کی معاشی حالت درست ہو، اس کو فن حرب میں مہارت حاصل ہو اور سامانِ حرب بھی مہیا ہو، اس کے بغیر جنگ کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں نہ یہ اسباب تھے اور نہ یہ حالات اور عوام الناس بلکہ خواص بھی کچھ موقع پرست سیاست دانوں کی چال میں آچکے تھے۔ اس تضاد کو دیکھ کر صدر الافاضل نے بھی اُن مخالفین سے دریافت کیا تھا کہ کیا ان کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے؟ یہ بے چین ومضطرب ہیں؟

ایک طرف عوام الناس سے جہاد کی باتیں کر رہے تھے اور دوسری طرف رقص وسرود اور کھیل تماشوں کی محفلیں بھی سجی وجمی تھیں۔

مولانا احمد رضا پر الزامات:

جب علماء اہل سنت خصوصاً فاضل بریلوی، صدر الافاضل، مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور تاج العلماء نے ان مخفی عزائم سے مسلمانوں کو باخبر کیا تو ان کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی اور یہ مشہور کردیا گیا کہ علماء کا یہ گروہ انگریزوں کا تنخواہ دار ہے۔ (۱)

مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کے جوابات:

اس بے بنیاد الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ

(۱) بتحقیق یہ الزام مولانا حفظ اللہ سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثانی پر لگایا تھا اور علامہ موصوف نے

''السواد الاعظم'' ۱۳۳۹ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے علماء اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے؟ کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا، مسلمانوں کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکنا یہ خاص گورنمنٹ کا کام ہے؟ یا اس کے علاوہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں؟''

مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کجروی اور بے راہ روی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے، اس لیے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لیے عوام کو علماء کی طرف سے بدظن کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے گا اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے شعائر مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جائیں، جیسا کہ ان کا خیال ہے۔

اخبار الفقیہ (امرتسر) کے شمارہ ۵ مئی ۱۹۳۱ء کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں ایک نو مسلمہ کو مرتد بنانے کی ہندو وانہ کوششوں کی اور اس کے خلاف علماء

بقیہ حاشیہ صفحہ 73: مولانا اشرف علی تھانوی کے لیے بھی یہی بات کہی تھی۔ ملاحظہ ہو (مکالمۃ الصدرین ص ۸) اسی طرح کے الزامات مولانا حسن نانوتوی پر لگائے گئے تھے کہ انہوں نے ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی میں انگریزوں کی حمایت میں تقریر فرمائی تھی جس پر بریلی کے عوام نے سخت غم وغصے کا اظہار کیا تھا اور انہیں عوام کے خوف سے بریلی سے بھاگنا پڑا تھا، ملاحظہ ہو (سوانح احسن نانوتوی ص ۵۰) اس زمانے میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا ضامن علی کے لیے یہی کچھ لکھا جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے بھی مجاہدین آزادی سے انگریزوں کی حمایت میں جنگ کی تھی۔

(ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید ص ۷۲، از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)۔ (نوری غفرلہ)

اہلسنت کی مزاحمت وغیرہ کا ذکر کیا گیا تھا۔اس خبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) تحریر فرماتے ہیں:

''کیا ایسے واقعات عبرت پذیری کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا اس طوفان مذہب دشمن کو دفنا کرنا خاص گورنمنٹ کا مقصد اصلی ہے، جس کی وجہ سے علماء اسلام اور پیشوایان دین کو گورنمنٹی آدمی بتایا جاتا ہے؟''۔

دشمن کے ان تمام سیاسی حربوں کا ذکر کرنے کے بعد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ ان الفاظ میں مسلمانانِ ہند کو خبردار کرتے ہیں۔

''مسلمانو ہوشیار! دولت اسلام کی نگہبانی کرو، اپنے دین وملت کو بچاؤ، اپنی ہستی اپنے ہاتھوں فنا نہ کرو۔ یارب، مسلمانوں پر کرم فرما، اے تاج دار عربی (ﷺ)، امت کی بے کسی پر نظر فرمائیے! اللہ کرے کہ ہمارے لیڈران درد آشنائے مذہب ہوں اور شریعت طاہرہ کے حریم و حدود کی عزت وتوقیر اور صیانت وحفاظت اپنی سعادت سمجھیں''۔

الزام تراشی کا یہ سیلاب حضرت بریلوی کی طرف بھی متوجہ ہوا اور ان پر کوئی ایک نہیں کئی الزامات لگائے گئے اور پوری فرد جرم تیار کی گئی۔جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ آپ حمایت سلطنت اسلامیہ کے خلاف ہیں۔

۲۔ حفاظت اماکن مقدسہ ضروری نہیں بتاتے۔

۳۔ نینی تال میں لیفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی۔

۴۔ گورنمنٹ کی خوشی کے لیے اس کی حسب منشا فتویٰ دیا۔

۵۔ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔

٦۔ کانپور میں ''حنفی سنی علماء'' صوبۂ متحدہ کے جلسہ میں بااصرار اُنہیں بلایا گیا، مگر شرکت سے انکار کر دیا۔

اسی زمانے میں مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذکورہ الزامات کے جوابات اپنے مرشد و استاذ حضرت فاضل بریلوی سے طلب کیے تھے اور حضرت فاضل بریلوی نے ان الزامات کے مندرجہ ذیل سلسلہ وار جوابات دیئے۔

جواب الزام نمبر ا:

سلطنت اسلامیہ اگر چہ بدعمل و بدمذہب ہو، بشرطیہ اس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، جب کفار سے اس کی جنگ ہوگی، مسلمان پر اس کی حسب استطاعت مدد فرض ہے، استطاعت سے زیادہ نہیں۔

جواب الزام نمبر ۲:

اسی طرح اماکن مقدسہ اور جملہ شعائر اسلام کی حفاظت علیٰ حسب الوسعت فرض ہے۔

جواب الزام نمبر ۳، ۴، ۵:

ان کا جواب میرے پاس ان سے بہتر کیا ہے؟ لعنت اللہ علی الکاذبین یعنی جس نے ایسا کیا ہو، اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔

جواب الزام نمبر ٦:

مولوی نثار احمد صاحب کانپوری جمعیۃ العلماء صوبہ متحدہ کی دعوت لے کر آئے تھے، میں نے اس کے مقاصد، ہندوؤں سے اتحاد اور دیوبندیوں وہابیوں کی شرکت و رکنیت وغیرہ بیان کئے تو انہوں نے جواباً کہا کہ ''ہم خالص اہل سنت کا جلسہ کریں گے'' میں نے کہا

کیجیے۔ ''میں خالص اہل سنت کے ایک خدمت گار کی حیثیت سے اپنی تحریر بھیج دوں گا جو جلسہ میں پڑھی جائے کہ بوجہ ضعف وعلالت حاضری معذور ہوں''۔ (۱)

اس میں شک نہیں کہ تحریک خلافت اور اس کے مقاصد سے فی نفسہ حضرت فاضل بریلوی کو قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا، مگر اس کے طریقہ کار سے سخت اختلاف تھا۔ مخالفین کی طرف سے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

''کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلام کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنت اسلامیہ کا حامی اور اماکنِ مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے اور قبے بنانا جائز اور ڈھانا جائز، وہ اس کے حامی ومددگار سمجھے جارہے ہیں۔ گرگ (بھیڑیا) اور گلہ کو چوپانی، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (۲)

سیاست جدیدہ میں مقصد پر نظر رہتی ہے ذرائع پر نہیں، مگر سیاست شرعیہ میں مقاصد اور ذرائع دونوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اس لیے مؤخر الذکر سیاست، اوّل الذکر سیاست سے زیادہ نازک ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی نے تحریک خلافت کے ذرائع پر سخت تنقید کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعتراضات وارد کیے، اگر امور خانہ، دیانت دارانہ اور حمیت اسلامی کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو نہایت وقیع معلوم ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مخالفین کی الزام تراشیاں بے وقعت معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر مخالفین نے

---

(۱) تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۰۵، مولفہ ڈاکٹر مسعود احمد

(۲) السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ، ص ۲۳۔۲۴

مندرجہ ذیل شرعی امور کے صریحاً خلاف ورزیاں کی ہیں۔

۱۔ مشرکین سے وداد واتحاد منایا گیا۔

۲۔ انہیں معاہد اور حلیف بنایا گیا۔

۳۔ انہیں رازدار اور دخیل کار ٹھہرایا گیا۔

۴۔ انہیں اپنا یار و مددگار اور خیر خواہ غمگسار جانا گیا۔

۵۔ انہیں پیشوا مانا گیا۔(۱)

۶۔ قرآن وحدیث کی تمام عمر، بت پرست یا بت پرستی پر نثار کی۔

۷۔ ان کی بڑی تعظیمیں ہوتی ہیں۔

۸۔ ان کی مدح میں سخت غلو اغراق کے گیت گائے گئے۔

۹۔ انہیں مسجد میں واعظ مسلمین بنایا جاتا ہے۔

۱۰۔ ان کی خوشی کے لیے شعائر اسلام مٹایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ (۱)

---

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مسٹر گاندھی کی قیادت پر فخر کیا اور جب اس حرکت پر تنبیہ کی گئی تو جواباً تحریر فرمایا کہ "عمرے کہ با آیات واحادیث گذشت رفتے و نثار بت پرست کردی۔ مولوی محمد بقیہ، حاشیہ صفحہ 62: علی جوہر نے کانگریس کے اجلاس میں پنڈت من موہن مالویہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مولوی شوکت علی نے اس کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ (اخبار ہمدم، ۴ جنوری ۱۹۲۸ء) جبکہ کانگریسی مولوی ظفر الملک مولوی اسحاق علی نے گاندھی کیلئے یہ تک کہا (معاذ اللہ) اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے"۔

(ماہنامہ السواد الاعظم، شعبان ۱۳۳۹ھ، ص ۴، دبدبہ سکندری رامپور، یکم نومبر ۱۹۹۲ء)

(۱) دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کے بارہویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حکیم اجمل خان مرحوم نے مسلمانوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہندوؤں کی خوشنودی کیلئے گائے قربانی ترک کر دیں۔ (ملاحظہ ہو، السواد الاعظم ۱۳۳۸ھ، اس مسئلے پر مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور علمائے اہلسنّت کی طرف سے خصوصاً بڑا احتجاج ہوا تھا۔

۱۱۔ ایسا مذہب بنانے کی فکر کی جاتی ہے جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے، سنگم و پریاگ کو مقدس علامت بنادے۔

مسلمانوں کی طرف سے اس ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہندوؤں کو یہ جرأت ہوئی کہ انہوں نے ترک گاؤکشی اور ترک گوشت خوری کا مطالبہ کیا بلکہ بعض مقامات پر حکماً گائے کی قربانی بند کردی گئی۔ چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کے اخبار ہمدم (دہلی) میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا، جس میں: ''آہنسا پرچارنی سبھا کاشی'' کی طرف سے ایک ایسا مسلمان لیکچرار مانگا گیا ہے جو جاہل اور کم علم مسلمانوں میں جا کر میلاد خوانی کرے اور اس کے بعد ترک گوشت خوری کا درس دے۔ ۱۴ جون ۱۹۲۷ء کے اخبار ہمدم میں علامہ غلام بھیک نیرنگ (خلیفہ سیدنا اشرفی میاں علیہ الرحمہ) نے انبالہ سے یہ خبر دی کہ ریاست ''نالہ گڑھ'' میں تاریخ میں پہلی مرتبہ گاؤکشی حکماً بند کردی گئی ہے۔

۱۲۔ مسلمان اپنے ماتھوں پر قشقہ لگواتے ہیں۔ (۱)

۱۳۔ ہندوؤں اور گاؤماتا کی جے پکارتے ہیں۔ (۲)

۱۴۔ قربانی کی گائے پھولوں کی ہار پہنا کر باجے گاجے کے ساتھ گؤشالہ تک پہنچائی جاتی ہے۔

۱۵۔ مشرکین کی لاش کو کندھا دیتے اور مرگھٹ لے جاتے ہیں۔ (۳)

---

(۱) ۲۲ جنوری ۱۹۲۰ء کو میرٹھ میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کی پیشانی پر چندن لگایا گیا۔ قشقہ لگانے کا حال مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی ''افاضات الیومیہ، جلد ۶ ص ۲۵۵ میں تحریر کیا ہے۔ (نوری)

(۲) ''افاضات الیومیہ، جلد ۶ ص ۲۵۵

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۳۲، مراد آباد

حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حقائق صحیح ہیں تو بحیثیت ایک غیرت مند عالمِ اسلام کے فاضل بریلوی نے ایسی تحریک سے خود کو علیحدہ رکھا تو کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ مندرجہ بالا فہرست میں بعض تلخ حقائق تو ایسے ہیں کہ اس زمانے کا گیا گزرا مسلمان بھی ایسا نہیں کرسکتا۔ ان حقائق کو نظر انداز کر کے صرف یہ مشہور کر دیا گیا کہ فاضل بریلوی تحریک خلافت کے مخالف تھے یہی نہیں بلکہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے سخت بددیانتی اور تاریخی خیانت ہے اور ایسے خائن مورخوں کو محاسبہ کیا جانا چاہیئے۔ (۱)

اسی طرح فاضل بریلوی کو ایک اور الزام دے کر بدنام کیا گیا ہے اور وہ الزام یہ ہے کہ آپ ہر کسی کو کافر کہہ دیا کرتے تھے۔

اس الزام کے جواب میں حضرت تاج العلماء بیان کرتے ہیں کہ فتویٰ تکفیر پر ہی کیا موقوف ہے؟۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم مجلدات میں ایک ہی موضوع پر ہزاروں فتاوے ہیں، اگر طلاق ہی کے لیے جائیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بس آپ طلاق ہی پر فتوے دیتے تھے؟۔ ایک حکیم کا رجسٹر اٹھایا جائے اس میں ایک ہی مرض اور مریض کے ہزاروں نسخے ملیں گے تو ان نسخوں کی نبیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کو دیکھو یہ حکیم بخار بتا دیا۔ حضرت تاج العلماء آگے چل کر بڑی دل لگتی بات فرماتے ہیں:

دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں پر کفر کے فتوے دیئے گئے ہیں آیا ان میں کوئی بھی ایک ایسا ہے کہ اس سے کفر کی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور اس کو کافر کہہ دیا گیا ہو؟ مگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کو کفر کرنے سے منع کرنا چاہئے نہ کہ مفتی کو کافر کہنے سے۔

طبیب کے پاس بخار والا آئے تو وہ ضرور اس کی تپ کو تشخیص کرے گا اور بخار کا نسخہ

(۴) آزادی ہند اور السواد الاعظم، مصنفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

لکھے گا، نہایت بے عقلی ہوگی کہ اگر آپ مریض کو دوا اور پرہیز پر آمادہ نہ کریں، لیکن طبیب کو بخار تجویز کرنے سے روکیں اور اس پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے اپنی عمر میں ہزاروں آدمیوں کو بخار بتایا ہے، یہ آپ کی عادت ہی ہوگئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کافر بنایا نہیں جاتا بلکہ انسان اپنے قول وعمل سے خود کافر بن جاتا ہے۔ مفتی صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب اگر اس کا قول وعمل صحیح ہے تو مفتی کے کہہ دینے سے وہ کافر نہیں ہوجاتا۔ اس لیے تشویش وفکر نہیں ہونا چاہئے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں مخالفت کے سیلاب نے نہ صرف فاضل بریلوی بلکہ ان کے صاحب زادگان اور خلفاء کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چنانچہ بریلی کی عیدگاہ میں حسب معمول فاضل بریلوی کے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی صاحب نماز عید پڑھایا کرتے تھے لیکن تحریک کے دوران یکم شوال ۱۳۳۹ھ کو عید آئی تو مخالفین نے پوری کوشش کی کہ آپ عید کی نماز نہ پڑھا سکیں لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بقول حضرت تاج العلماء اس مرتبہ پہلے سے زیادہ رونق رہی اور سارا انتظام، جماعت رضائے مصطفیٰ نے کیا۔(۱)

نوٹ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین فاضل بریلوی اور ان کے صاحبزادگان اور ان کے زیر اثر علمائے اہل سنت کے پیچھے پڑے رہے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں الٰہ آباد سے ایک کتاب ''افسانۂ عبرت'' شائع ہوئی تھی، جس میں علمائے اہل سنت کو خوب سخت وسست کہا گیا۔ (السواد الاعظم جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ، ص ۳۱) ۲۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کے اخبار ''الانصار'' (دیوبند) نے علماء اہل سنت کی دل کھول کر تضحیک وتذلیل کی۔ حضرت فاضل بریلوی کے

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ

انتقال کے بعد یہ سلسلہ شدید تر ہوگیا۔ چنانچہ اسی انتقامی جذبہ کے تحت مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی، اپنا رسالہ ''الفرقان'' بریلی لے گئے اور وہاں ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ سے ۲۲ محرم ۱۳۵۴ھ تک جامعہ رضویہ مظہر اسلام (واقع بی بی مسجد بریلی) کے استاد مولانا سردار احمد صاحب سے مناظرہ کیا جس کی روداد ''قلعہ رضا خانیت پر فیصلہ کن حملہ'' کے عنوان سے جامعہ برقی پریس دہلی سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی۔ اس روداد کے صفحہ نمبر ۷۰ پر مناظرہ کے دوران مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی کا یہ جملہ بھی ملتا ہے:

''میں نے ان کے فرزند اکبر اور آپ کے آقائے نعمت (مولوی حامد رضا خان) کا ناطقہ بند کر رکھا ہے''۔

مخالفین کی اس ناشائستہ حرکت کا حضرت تاج العلماء نے نہایت شائستہ اور معقول جواب دیا۔ آپ نے فرمایا:

مسلمانوں کی تباہی کا یہی باعث ہے کہ ان کی زبان وقلم کی قوتیں اپنے ہی بزرگوں اور پیشواؤں کی ایذا رسانی میں صرف ہوئی ہیں، نامعلوم مضمون نگار نے کونسا بخار نکالا ہے! زمانہ کی نزاکت اور مسلمانوں کی حالت کیا اس قابل ہیں کہ ان میں اس طرح تفرقہ اندازی کی جائے۔ یہ کس قدر بدعقلی ہے کہ ہم بجائے اتحاد واتفاق کے عداوت و حسد میں گرفتار ہیں، ہندو اتحاد کی فکر کریں اور اپنے پیشوایان دین سے یہ سلوک۔ (۱)

ان حالات وواقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے میں فاضل بریلوی اور ان کے صاحبزادگان وخلفاء نے مخالفت کے سیلاب سے کس بلند ہمتی سے مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلایا جو پاکستان کی منزل تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ ۲۲،۲۳،۲۴

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰

شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو اہل سنت و جماعت کی "تنظیم الانصار الاسلام" کی طرف سے بریلی میں شاندار اجلاس ہوئے، جس میں اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترکوں کی مدد موضوع رہا اور ان حضرات نے خطاب فرمایا:

۱۔ مولانا سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی (مارہرہ مطہرہ)
۲۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری (خلیفہ فاضل بریلوی، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ بہار)
۳۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ فاضل بریلوی، جامعہ نعیمیہ مراد آباد)
۴۔ پروفیسر سید سلمان اشرف بہاری (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
۵۔ مولانا سید دیدار علی شاہ (دار العلوم حزب الاحناف، لاہور)

ان حضرات نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترک موالات کے موضوع پر مدلل تقریریں فرمائیں۔

اس جلسے میں جو قرارداد منظور کی گئی، اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ علماء اہل سنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۂ عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔
۲۔ یہ جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ "مظلومین سمرنا" وغیرہ کی مالی اعانت وارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع بہم پہنچائے۔
۳۔ یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک وفد بھیجے اور یہ تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفود کی بحفاظت پہنچانے کی ذمہ داری نبھائے۔
۴۔ یہ جلسہ مسلمانوں سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے

کرنے کے مجاز ہیں مطابق شرعی فیصل کرلیں اور انگریز کچہریوں کی مقدمہ بازیاں جو فریقین کیلئے تباہ کن ہوتی ہیں، اس سے بچیں۔

۵۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ ایسا قانون بنائے کہ جس سے کسی اسلامی ملک کو مضرت نہ پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۶۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس ذرائع کی توسیع اور حتیالامکان ان صورتوں کے بہم پہچانے پر توجہ دلاتا ہے، جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

۷۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے، تاکہ مسلمان، غیر مسلمانوں کے دست برد ہونے سے بچیں۔ (۱)

۸۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بہ ماہ سال بہ سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلام وضروریاتِ اسلام میں کام آئے۔

۹۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد علماء حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

۱۰۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقہ، ناجائز راستے، مضرو تیرے، بغلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں ان کی شناعت پر مسلمانوں کو تحریراً وتقریراً مطلع کرے۔ (۲)

مذکورہ بالا تقریباً تمام ہی تجاویز، ان ہدایت پر مشتمل ہیں جو ۱۹۱۲ء میں مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی نے ارشاد فرمائی تھیں، اگر تاریخی سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے دیکھا جائے

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ، ص ۱۵۔۱۶

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، ص ۳۲

تو تجاویز نہایت ہی وقیع ہیں۔اسلامی بینک قائم کرنے کی تجاویز جو پون صدی پہلے علمائے اہل سنت نے پیش کی تھیں عالم اسلام آج اس پر عمل پیرا ہے ان تجاویز میں عقل ہوش بھی ہے اور درد و سوز بھی، سمجھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔تجویز تشخیص کے تابع ہوتی ہے پہلے مرض تشخیص کیا جاتا ہے پھر علاج کیا جاتا ہے۔بغیر تشخیص کے علاج مہلک ثابت ہوتا ہے۔ترکوں کی مدد سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ یہ انحطاط کن اسباب کی بناء پر آیا اور کیا یہ حادثاتی واتفاقی ہے یا ارتقائی؟۔ان اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تاج العلماء نے انحطاط و زوال کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کیا ہے:

۱۔ ترکی میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں۔

۲۔ ترکوں کے بدخواہ ان کے اپنے حلقے میں پیدا ہوگئے ،جنہوں نے دشمنوں کی موافقت کی۔

۳۔ طوائف الملوکی، ہر شخص نے الگ راستہ اختیار کیا۔

ان امراض کا تاج العلماء نے یہ علاج پیش کیا۔

۱۔ اسلامی اتحاد کا جوش پیدا کر کے انہیں سلطنت اسلامیہ کی حمایت میں کھڑا کرنا۔

۲۔ ملت فروشی کو عام نگاہوں میں ذلیل بنا کر اس زہریلی وبا کے اثر سے وہاں کے باشندوں کو محفوظ رکھنا۔

۳۔ مسلمانان عالم کے جذبات کی ترجمانی کر کے ان میں نئی سرگرمی پیدا کرنا۔

تشخیص اور تجویز کے بعد حضرت تاج العلماء نے تحریک خلافت کے پیروکاروں سے یہ سوالات کیے:

۱۔ کیا اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا کوئی وفد قسطنطنیہ پہنچا؟

۲۔ کیا عربوں کو ترکوں کے ساتھ موافق کرنے کے لیے کوئی جماعت گئی؟

۳۔ کیا عربوں کی باہمی کشمکش اور جنگجوئی کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر عمل میں لائی گئی؟

۴۔ ''اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں تو تیسرا اُن میں صلح کرادے''۔ کبھی ان کے لیے کوئی کوشش کی گئی؟

آخر میں تحریک خلافت کے رہنماؤں کو ہوشمندی اور دانشمندی وعاقبت اندیشی سے کام لینے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہمیں اس وقت یہ غور کرنا ہے کہ ہمارے ان افعال سے ترکوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟۔ امید ہے کہ اہل الرائے اپنے دماغوں کو عقل زائل کرنے والے جوش سے خالی کر کے اس پر غور فرمائیں گے۔ (۱)

تحریکِ ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد

مسٹر گاندھی کی سیاسی چال:

تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے ایک اور تحریک بنام ''تحریکِ ترکِ موالات'' کا بھی آغاز کر دیا تھا۔ چونکہ انہوں نے نہایت دانش مندی سے تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کی حمایت کی اور اس طرح مسلمانوں خصوصاً مسلم لیڈروں اور علماء کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اس لیے ''تحریکِ ترکِ موالات'' میں ان کی مدد حاصل کرنا ان کو مشکل امر نہیں رہا تھا۔ چنانچہ ''تحریکِ ترکِ موالات'' میں مسٹر گاندھی کی اپیل پر ہندوستان کے مسلمان ذوق وشوق سے جوق در جوق شامل ہونے لگے اور مسٹر گاندھی کو اپنا حامی وناصر سمجھنے لگے تھے۔

---

(۱) السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸، ص ۲۶، مزید تفصیل کیلئے ''تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'' مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطالعہ کریں۔ (نوری غفرلہٗ)

بلاشبہ تحریک خلافت ایک جذباتی تحریک تھی اور جذباتی تحریکوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ایک دانا و بینا سیاست داں کا کام ہوتا ہے، وہ آن کی آن میں ایسی تحریکوں کے سہارے اپنے مقاصد پورے کرلیتا ہے اور کسی کو خبر تک ہی ہوتی۔ تحریک ترکِ موالات میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اس سلسلے میں حالات حاضرہ کے عنوان سے صدر الافاضل حضرت علامہ المفتی المحدث سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' شوال المکرّم ۱۳۳۸ھ میں جو کچھ لکھا، وہ تاریخی و سیاسی حیثیت سے نہایت ہی اہم موضوع تھا، آپ نے فرمایا:

> ''ہندو ناداں نہیں، ان کی کوئی حرکت عبث و بیکار نہیں، وہ ہر کام کے لیے کوئی مقصد رکھتے ہیں، ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے، جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تھا تو وہ اب اپنے مقصد کو ضرور مقدم رکھیں گے''۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ''ترک تعاون'' کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدت دراز سے مرکوز ہے۔ ان کے کارنامۂ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اپنی خواہش کے موافق کامیابی سے محروم رہے تھے اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے اور یہ وقت مسلمان لیڈروں نے فراہم کردیا تھا۔

ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ ''تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں''۔

دوسری طرف مسٹر گاندھی لب ولہجہ بدل کر یہ فرماتے ہیں کہ ''دیکھو خبردار! قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا، امن عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا، ورنہ میں

تمہارے ساتھ نہیں''۔ جس سے وہ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدہ سری، قانون شکنی اور امن عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر مسعود احمد ''مسلمان فطرتاً جان باز اور وفادار ہے''۔ جذباتی تحریکوں میں اس (کے عوام) کا قانون کے دائرے میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہندوستان میں جب کبھی ایسی تحریکیں چلیں مسلمانوں نے زیادہ نقصان اٹھایا۔ ۱۹۴۶ء میں جب (Victory Week) منایا گیا تو راقم دہلی میں تھا۔ عجیب مناظر دیکھنے میں آئے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا لیکن اس ہنگامہ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مارشل لاء لگ گیا اور دہلی تاریکی میں ڈوب گیا۔(۱)

پھر ''تحریک ترکِ موالات'' سے مسلمانوں کو فوائد کے بجائے جو نقصانات متوقع تھے، اس کے پیش صدر الافاضل کو اس تحریک سے اختلاف تھا۔ بادیٔ النظر میں یہ شک ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ کہیں وہ انگریزوں کے ساتھ تو نہ تھے؟ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی مخالفت آسان تھی حمایت مشکل تو یہ شک رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان خصوصاً موقع پرست مشکلات سے زیادہ آسانیوں کو پسند کرتا ہے، اس کے علاوہ ماضی میں کوئی ایسی تاریخی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ صدر الافاضل یا اکابر اہل سنت نے انگریزوں سے کوئی امداد قبول کی ہو، اس کے برخلاف ان کے مخالفین کے بارے میں خود ان کی اپنی کتابوں سے اس کی شہادت مل جاتی ہے۔ پھر تقسیم ہند کے وقت ان آنکھوں نے خود دیکھا کہ انگریز ہندوؤں سے زیادہ ہمارا دشمن نکلا، اگر قائد اعظم یا ان کے ہمنوا، علمائے

(۱) ''تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'' اگست ۱۹۸۷، ص ۲۲۱، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اہل سنت انگریزوں کے خیر خواہ ہوتے تو انگریز بھی ان کا خیر خواہ ہوتا بد خواہی بتا رہی ہے کہ قائداعظم اور علمائے اہل سنت کو انگریز اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتا تھا۔

اب ''تحریک ترکِ موالات'' کے بارے میں صدرالافاضل کے تاثرات قلم بند کرتے ہیں، جونہایت بصیرت افروز اور مومنانہ نظر آتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''حکومت کا تعلق ہمارے ساتھ تمدن میں اس قدر نہیں جتنا سیاست میں ہے۔ تمدن کو فاسد کرنے کا بڑا اثر ہم پر پڑے گا۔ برابر والے سے بھی جنگ کرنے میں بھی پہلے اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ سامان حرب مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تلاش اور حملہ کے موقع کی جستجو میں سرگردانی ہوتی ہے، تب کہیں جا کر اس کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، اس پر بھی اپنا غلبہ یقینی نہیں، جب زبردست سے مقابلہ ہو تو اپنے آپ کو کس قدر تکلیف برداشت کرنا پڑے گی اور اس کو برداشت کرنا ہم پر اتنا ہی دشوار ہوگا جتنا ہم میں ضعف ہے اور ہمارے حملے کا تحمل اور قوت برداشت مقابل بقدر اپنی طاقت کے ہوگا، ہمیں تو پہلے حملے کی تیاری ہی فنا کے دروازے تک پہنچا دے گی۔ (۱)

صدرالافاضل نے ترک موالات کے موضوع پر ایک فاضلانہ اور مخلصانہ مقالہ لکھا تھا جو'' السواد الاعظم'' کے شمارے ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ اور جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ کے ۱۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہایت اہم اور مفید رسالہ ہے اور اس سے ان کے موقف کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے الفاظ میں رسالے کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت وداد ربط واتحاد دوستی و یک دلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو وہ مومن نہیں۔

---

(۱) السواد الاعظم۔ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۸۔۱۹

۲۔ دوسری حیثیت شخصی و ذاتی ہے، یہ محبت بھی اتنی ہو کہ شعائر کفر کی نفرت دل سے کم ہو جائے اور شعائر اسلام کے ساتھ اُن کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافی اسلام ہے۔

۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شان مومن کے خلاف و ممنوع ہے۔ (۱)

ترکِ موالات سے متعلق ایک دوسرے مقالے میں صدر الافاضل یہ نکتہ بیان فرماتے ہیں:

مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ قرابتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشق الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کے طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔ (۲)

(۲) السواد الاعظم۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ، ص ۱

باب دوم (ب)

تحریک ہندو مسلم اتحاد

اب دوم (ب)

تحریک ہندو مسلم اتحاد

''تحریک ترکِ موالات'' کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک، ترک موالات، کی تحریک سے زیادہ شدت سے شروع ہوئی۔ علماء برصغیر نے اس مسئلے کے موافقت ومخالفت میں بہت کچھ لکھا لیکن علماء اہلسنّت نے بحیثیت مجموعی اس اتحاد سے اختلاف کیا۔ اس کی وجوہات مذہبی تھیں اور سیاسی بھی اور وہ اتحاد کو فی نفسہٖ ناممکن سمجھتے تھے۔ دلائل وشواہد ایسے تھے کہ اگر ایک خالی الذہن غیر مسلم بھی سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کرتا تو اسی نتیجے پر پہنچتا، جس نتیجے پر علماء اہلسنّت خصوصاً حضرت فاضل بریلوی اور ان کے خلیفہ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین المراد آبادی پہنچے، یہ محض ایک قیاس ہی نہیں ایک حقیقت ہے۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک معروف کٹر ہندو سیاست داں ''لالہ لاجپت رائے''(۱) کے تاثرات بھی بیان کردیئے جائیں تاکہ بات واضح ہوجائے۔

لالہ لاجپت لکھتے ہیں۔

''ایک اور چیز جو ایک عرصہ سے میرے لیے وجہ اضطراب ہو رہی ہے
وہ ہندو مسلم اتحاد ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوتِ غور

(۱) لالہ لاجپت رائے 1860 میں ضلع لدھیانہ، بھارت وپنجاب میں پیدا ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور ضلع حصار کی کچہری میں وکالت کرتے ہوئے 1892ء میں لاہور ہائی کورٹ سے متعلق ہوگئے۔ 1945ء میں کانگریس کے ایک وفد میں شامل ہوکر برطانوی حکومت سے ملے تھے۔ (سوانح لالہ لاجپت، ص20)

وغوض دوں گزشتہ چھ ماہ میں، میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور ناقابل عمل شئے ہے۔ وہ مسلمان رہنما، جو عدمِ تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے، پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز (یعنی) ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا''۔ (۱)

راقم کی رائے میں مسئلہ ''ہندو مسلم اتحاد'' پر جب برصغیر کے ہندو سیاست دانوں کا یہ انداز فکر تھا تو غور کیا جا سکتا ہے کہ صاحبِ بصیرت مسلم علماء کا انداز فکر کیا ہوگا؟۔

چنانچہ مسئلہ ''ہندو مسلم اتحاد'' پر جب صدر الافاضل استاذ العلماء المحدث مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا، وہ بڑے بصیرت افروز اور حقیقت پسندانہ تھے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا، مسٹر گاندھی نے اس تحریک کی حمایت کی، ہندو مسلم اتحاد کا یہی نقطہ آغاز تھا، اس حمایت کی اس قدر پذیرائی کی گئی جس کا وہم وگماں بھی نہ تھا، خصوصاً بعض مسلم علماء کی طرف سے۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مسلمان علماء کی اس پذیرائی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے ان مسائل میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تا کہ ان کی صدا میں زور آئے اور سلطنت ان کی آواز کان لگا کر سنے۔ مذہب کا فتویٰ اس کو نامناسب اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدوجہد تو جواز ہی میں رہتی۔ لیکن صورت حال کچھ اور ہے۔

(۱) مکتوب، مطبوعہ 12 فروری 1940ء، بنام سی۔ آر۔ داس

ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان ''آمین'' کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ ''مُقلِد'' کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں، اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقاماتِ مقدسہ اور سلطنتِ اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں، لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں، اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ ڈالیں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اپنی عقل و حواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فرزانگی کے ساتھ اپنے نیک و بد، اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں۔ (۱)

میری رائے میں ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے کچھ کام نہیں آسکتی۔ فرض کرو کہ آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو، کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے تو تم کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں، اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہیے۔ (۲)

علامہ اقبال نے اسی قسم کے خیالات سے متاثر ہو کر کہا تھا:

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمانوں کا خسارا

---

(۱) ماہنامہ السوادالاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۵۔۱۶، مراد آباد

(۲) ماہنامہ السوادالاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۵۔۱۶، مراد آباد

مسلمانوں کی اس بے راہ روی اور نا عاقبت اندیشی نے جو گل کھلائے، اس کا نقشہ حضرت صدر الافاضل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کے ذبیحہ سے ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، معاذ اللہ! کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں۔ مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ) مولانا سید سلمان اشرف بہاری (سربراہ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی گڑھ) نے خوب فرمایا کہ ''لعنت اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے''۔ ترکی کی سلطنت کی بقا کے لیے مسلمان کفر کرنے لگیں، شعائر اسلام کو میٹ دیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! اسلام ہی کے صدقے میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے کیا واسطہ؟ مطلب جو کوشش کی جائے اپنا دین محفوظ رکھ کر کی جائے۔ (۱)

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی، نصاریٰ کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقت کی۔ بلادِ اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلوار چلائیں، ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے۔ اب اس

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۶۔۱۷، مراد آباد

خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور مشتے بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی
غلامی میں دین برباد کرنے پر تل گئے۔(۱)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا واضح موقف تھا کہ ہندوؤں سے استعانت وتعاون اس لئے مضر ہے کہ وہ مسلمانانِ ہند سے دین میں محارب تھے۔ چنانچہ آپ ایک جگہ صاف طور پر لکھتے ہیں کہ:

''وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا کارنامہ ظاہر و باطن ہے یعنی گاندھی صاف صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین، ہندو دین میں ہم سے محارب ہیں۔(۲)

اس موقع پر مولانا احمد رضا خان بریلوی دشمن کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دشمن اپنے دشمن کیلئے تین باتیں چاہتا ہے۔

اول) اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

دوم) یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی، کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم) یہ بھی نہ ہو سکے تو آخری درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔ مخالفت کے یہ درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے اپنے رسالے کے آخر میں مسلمانان ہند سے یہ

---

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۶۔۱۷، مراد آباد

(۲) المحجۃ المؤتمنہ بحوالہ ''اوراق گم گشتہ''، ص ۲۵۰، مولفہ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸

دردبھری اپیل کی تھی۔

”تبدیل احکام الرحمٰن، اور اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن پاک تمہیں اپنے سائے میں لے، دنیا نہ ملے، نہ ملے، دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کا فۃً ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انه لکم عدو مبینo (۱)

دراصل مولانا احمد رضا خان بریلوی کافر مشرک یہود ونصاریٰ، آتش پرست، ستارہ پرست سب ہی کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ تاریخی واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شعر میں وہ فرماتے ہیں:

کافر، ہر فرد وفرقہ، دشمن مارا
مرتد، مشرک، یہود، گبر وترسا (۲)

یہی وجہ ہے انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک موالات کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی سختی سے مزاحمت کی، آپ گاندھی کی قیادت کو مسلمانانِ ہند کیلئے مہلک سمجھتے تھے۔ اس مسئلے پر اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی (المتوفی ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء) سے سخت اختلاف کیا۔ اس پر بھی دونوں کے درمیان تفصیلی مراسلت ہوئی جو بعد میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کے چھوٹے صاحب زادے مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خان بریلوی نوری نے ۱۹۲۱ء/ ۱۳۳۹ھ میں تین حصوں میں بعنوان ”الطاری الداری

(۱) المحجۃ المؤتمنہ بحوالہ ”اوراق گم گشتہ“، ص ۳۰۵، مولفہ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸

(۲) الطاری الداری، حصہ سوم ص ۹۹، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، مطبوعہ بریلی

لھفوات عبدالباری" شائع کردی۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کو کسی طرح بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ مسلمانانِ ہند کٹر ہندو لیڈر گاندھی کیلئے سواری کا کردار ادا کریں۔ اقبال نے کہا تھا:

ع ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

آپ نے بھی مسلمانانِ ہند کو اس غیرت کا درس دیتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں:

ع مشرک نہ بخود سواری باید کرد (۱)

مسٹر گاندھی تحریک خلافت میں مسلمانوں کے خیر خواہ نظر آئے، مگر اندرونِ خانہ وہ مسلمانوں کی اس سیاسی بیداری سے صرف اپنا مدعا اور موقف حاصل کرنا چاہتے تھے یعنی ہندوستان میں ہندو راج کا قیام تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی سیاسی بصیرت نے اس راز کو پالیا تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء میں مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اس موقفِ رضوی کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ ایک جگہ حکیم اجمل خان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بارہواں اجلاس حکیم اجمل خان کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا، اس میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ "وہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گاؤکشی بند کردیں"۔ (۲)

آپ نے بڑی دل لگتی بات فرمائی۔

"شرکت وطنی ہے تو وطنی امور میں شرکت و اتحاد کیجئے، مذہب کو اس میں دخل دینا یقیناً ناصواب و ناروا ہے"۔ (۳)

---

(۱) الطاری الداری، حصہ سوم ص ۲۹، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، مطبوعہ بریلی

(۲) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۱۷،۲۴

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۱۷،۲۴

مسلمانوں کی اس ڈھیل سے ہندو اس قدر جری ہو گئے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے واعظین مقرر کیے، مطالبے پیش کئے گئے اور کہیں گاؤ کشی کو حکماً بند کرایا گیا۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو اخبار ہمدم (دہلی) میں آہنسا پرچارنی سبھا کاشی کی طرف سے یہ اشتہار شائع کیا گیا:

''ایک مسلمان مولوی صاحب لیکچرار چاہئے، واسطے ''آہنسا پرچارنی سبھا کاشی'' کے جو چھوٹی قوموں مثلاً کنجڑ، قصاب اور کبڑیئے میں جا کر پہلے مولود شریف کریں بعد رحم و ترک گوشت خوری پر لیکچر شہر بشہر دیں۔ (۱) شاہ افغان ''خان امان اللہ خان'' سیاحت یورپ کے دوران ہندوستان سے گزرے تو بمبئی میں جمعہ کی نماز کی امامت فرمائی اور خطبہ جمعہ میں یوں فرمایا:

''نہایت درجہ شرم کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان گائے کے سوال پر ہندوؤں کے جذبات کی عزت وقدر نہیں کرتے''۔ (۲)

اس بیان کی پذیرائی کے لیے ہندو مہا سبھا کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں امان اللہ خان کا شکریہ ادا کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ گاؤ کشی قطعاً بند کر دیں۔ (۳)

اوپر گزر چکا کہ حکیم اجمل خان نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ترک گاؤ کشی کیلئے ہدایت فرمائی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی اس کی حمایت میں تھے۔ چنانچہ ''السواد الاعظم میں اس مسئلے پر ''مولانا محمد میاں قادری کی کھلی چٹھی مولوی عبدالباری فرنگی محلی کے نام'' سے

---

(۱) السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

(۲) روزنامہ ہمدم دہلی ۲۱ دسمبر ۱۹۲۷/ السواد الاعظم، رجب وشعبان ۱۳۴۶ھ ص ۲۱
تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۲۸، مولفہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد

(۳) حوالہ مذکورہ ص ۲۲۸

ہوئی تھی، چنانچہ طبقہ علماء اور عوام میں اس ترکِ گاؤ کشی کی تحریک کی سختی کے ساتھ مخالفت کی گئی۔

اس سلسلے میں بہت سے جلسے بھی ہوئے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو قصبہ بیسل پور مدرسہ اسلامیہ جامعہ ثانی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت منشی احمد اللہ خان رضوی نے فرمائی اس جلسے میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

۱۔ یہ جلسہ مسٹر گاندھی، مسٹر شوکت علی، محمد علی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ ہم کی پالیسی و طرزِ عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ گائے کی قربانی چھوڑنے کے واسطے تیار نہیں اور ان لوگوں سے متنفر ہے جو اس شعائر اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۳۔ یہ جلسہ جناب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائتہ حاضرہ موئید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی قاری مفتی شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کے فتووں کو جو رسالہ ''خلت'' میں شائع ہوئے ہیں، وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کی پابندی ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہے۔(۱) (مقصود علی، سیکریٹری، محمڈن کمیٹی، بیسل پور)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور فاضل بریلوی کی کوششوں سے۔(۲) وہی مولانا عبدالباری فرنگی محلی جنہوں نے گاندھی کی متابعت پر فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

عمرے کہ با آیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستی کر دی

(۱) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۲۴

(۲) السواد الاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۳۹ھ، مولوی عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ایک تنبیہی مضمون اسی شمارے کے صفحہ ۲ تا ۳۰ تک پھیلا ہوا ہے۔

آج ان کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۹۱۹ء کو اخبار ''ہمدم'' (لکھنؤ) میں مولانا کی توبہ شائع ہوئی، جس سے باغیرت مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ہر طرف سے فاضل بریلوی کو مبارکباد کے تار بھیجے اور بھی جلسے کئے۔ چنانچہ مراد آباد میں مسجد میر عباس علی اور مسجد چوکی حسن خاں میں اسی قسم کے جلسے ہوئے۔

مولانا عبدالباری کا توبہ نامہ ''السواد الاعظم'' کے ص ۱۹ سے ۲۰ تک پھیلا ہوا ہے، اس کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

> ''اے اللہ میں نے جو امور قولاً وفعلاً تقریراً وتحریراً بھی کیے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا ہوں مولوی احمد رضا خاں نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ہے، ان سب سے اور ان کی مانند امور سے محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں، اے اللہ! اے اللہ! اے توبہ قبول کرنے والے! میری توبہ قبول کر! توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں۔ (۱)

وسط رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء میں بریلی جمعیۃ العلماء ہند کا ایک عظیم جلسہ اور اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی (خلیفہ فاضل بریلوی) کے درمیان سیاسی امور پر گفتگو کرنے اور باہمی اختلاف ختم کرنے کے لے مراسلت ہوئی جو بے نتیجہ رہی۔

اس کے بعد علماء اہلسنت نے یہ فیصلہ کیا کہ خود جلسہ میں پہنچیں۔ چنانچہ دس بارہ علماء اہلسنّت جلسہ گاہ میں پہنچے، صدر جلسہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ چنانچہ اظہار خیال کے

(۱) السواد الاعظم ۱۳۳۹ھ۔ نوٹ: مولوی عبدالباری فرنگی محلی کی توبہ اور شکست توبہ کی داستان ملاحظہ کرنی ہو تو حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کی مرتبہ ''کتاب الطاری الداری لھفوات عبدالباری'' مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ پڑھیں۔

لیے ان سے وقت مانگا گیا۔ مولانا نے ۳۵ منٹ دیئے (فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے ترک گاؤکشی اور ترک موالات کے خلاف مدلل تقریر فرمائی اور اس مسئلے پر علماء اہلسنّت کے موقف کو واضح کیا۔ ان کی تقریر سے مجمع کا رنگ بدل گیا۔ پروفیسر موصوف نے مسٹر گاندھی کو پیشوا بنانے، اراکین خلافت کمیٹی کی سخت اور فاحش شرعی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرمائی اور یہ کہا کہ علماء اہلسنّت کو ترکوں کی مدد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت سے اختلاف نہیں اور اگر اختلاف ہے تو ان حرکات سے جو دین کے منافی ہیں۔

مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے تقریر فرمائی اور جلسے کا رنگ دیکھتے ہوئے سید سلیمان اشرف صاحب سے اپنے ذاتی مراسم کا ذکر کیا اور ان کی تقریر پر اظہار مسرت فرمایا۔ نیز فرمایا:

> ''موالات جیسے نصاریٰ کے ساتھ حرام ہے ہندو کے ساتھ بھی حرام ہے۔ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندو گاندھی ہو جائیں اور مسلمان ان کا اتباع کریں تو میں کہوں گا کہ وہ سب بت ہیں اور یہ بت پرست۔ یہ کس ذمہ دار شخص نے ہندوؤں کے ساتھ موالات جائز کہی ہے؟۔

مولانا پروفیسر سلیمان اشرف کی تقریر کے بعد حضرت فاضل بریلوی کے بڑے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے خطاب فرمایا اور حرمین شریفین، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت کو بقدر طاقت و وسعت فرض عین قرار دیا اور فرمایا کہ میں ترک موالات سے انکار نہیں کرتا، اختلاف ان اُمور سے ہے، جو اختیار کیے گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت حجۃ الاسلام نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ''(۱) کی طرف سے ستر سوالات بعنوان ''اتمامِ حجت'' کا بھی ذکر فرمایا اور مولانا آزاد سے اس کا جواب طلب کیا اور فرمایا جب تک آپ ان حرکات سے باز نہیں آتے، ہم آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد مولانا آزاد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

حضرت آپ کو بھی اپنی حرکات سے توبہ کرنی ہے اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے دریافت کیا کہ میری کیا حرکات ہیں؟۔

مولانا حامد رضا خان نے جواب دیا کہ ''آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف پڑھی ہے''۔ (۲)

اس پر ابوالکلام آزاد نے کہا کہ ''میری طرف یہ نسبتِ کذب ہے۔

اس کے بعد مولانا آزاد نے جلسہ گاہ سے تمام غیر شرعی امور سے توبہ کرنے اور

---

(۱) واضح رہے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی نے ۱۹۱۷ء میں بریلی میں قائم فرمایا اور اس کے اہم مقاصد یہ تھے۔

۱۔ طالبان حق کو راہ حق دکھانا۔
۲۔ مسلمانوں کو بدمذہبوں سے محفوظ رکھنا۔
۳۔ رہزنان راہ حق سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو بیدار کرنا۔
۴۔ تمام دشمنانِ اسلام وایمان سے ترک موالات کے لیے تیار کرنا۔
۵۔ اتحاد مومنین اور ترقی اسلام کے لیے کوشش کرنا۔

(بحوالہ تحقیقات قادریہ، بریلی ۱۹۱۹ء، ص ۵۰)

جماعت رضائے مصطفیٰ نے بہت سی علمی سیاسی خدمات بھی انجام دیں۔ سیاسی خدمات کا مختصر احوال سابقہ صفحات میں بیان کیا گیا۔

(۲) حالانکہ یہ خبر ''اخبار فتح'' دلی ص ۲۷ ص ۲۴۲ میں شائع ہوئی تھی، جس کے عینی شاہدین میں مولانا احمد مختار احمد صدیقی میرٹھی بھی تھے اور جن کو فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ ''الحجۃ الموتمنہ ۱۳۳۹ھ'' ص ۸۵ میں نقل فرمایا ہے۔

ان سے اپنی بیزاری شائع کرنے کا وعدہ فرمایا۔[1]

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے پر آشوب دور نے علماء وصوفیا کی عقل وشعور کو متاثر کیا۔ ان کے فیصلے بھی حالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مولوی عبدالباری اور ابوالکلام آزاد کا حال اوپر گزر چکا۔ خواجہ حسن نظامی (۲) بھی محفوظ نہیں رہے تھے، انہوں نے بھی اس زمانے میں ایک جگہ مجالس مولود النبی ﷺ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان ۱۲ ربیع الاول شریف کو ہندوؤں کی دلجوئی کیلئے گائے کی قربانی بند کر دیں۔[3]

ایک اور جگہ پر جھٹکے کے گوشت کو ذاتی طور پر جائز تحریر فرمایا تھا۔ (اخبار ''جمہور'' کلکتہ، ۱۳۴۸ھ) اور ایک دوسری جگہ استنجے کے لئے ڈھیلے کے استعمال کو عرب کی وقتی ضرورت قرار دیا تھا۔ (اخبار ''منادی'' دہلی یکم فروری ۱۹۲۹ء) خواجہ حسن نظامی کے اس طرز عمل پر گرفت کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے مسلمانوں کو غیر شرعی اور غیر اسلامی روش اختیار کرنے سے روکا اور سخت تنبیہ کی تھی۔[4]

اسی طرح جمعیت العلماء ہند کے مولوی احمد سعید نے اپنے ایک مضمون میں کرشن کو خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ (روزنامہ ''تیج'' دہلی کرشن نمبر ۱۹۳۰ء) تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رضوی نے ان کا تعاقب بھی کیا تھا۔[5] اسی طرح جمعیۃ العلماء ہند کے

---

(۱) السواد الاعظم رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ ص ۱۹-۲۰

(۲) خواجہ حسن نظامی، اردو کے مشہور ادیب تھے اور ان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ شاہ وگدا کا فرومشرک مسلمان، غیر مسلمان سب ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ ۱۹۵۴ء میں دہلی میں انتقال ہوا، مزار، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں واقع ہے۔

(۳) اخبار حق (لکھنو) 19 اگست 1929 / السواد الاعظم، ربیع الاول 1348 ص 4

(۴) السواد الاعظم، رمضان المبارک 1348 ص 8

(۵) السواد الاعظم، ذی الحجہ 1350 ص 25

صدر مفتی محمد کفایت اللہ(۱) نے شردھانند کے قاتل غازی عبدالرشید کے لیے فتوی دیا کہ وہ جنت سے محروم ہے۔انہوں نے تحریر کیا:

''کافر معاہدہ کا قاتل جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا''۔(۲)

ایک طرف حضرت مفتی صاحب نے یہ فتویٰ عنایت فرمایا اور دوسری طرف جب مسلمانوں نے شردھانند کے قصاص میں غازی عبدالرشید علیہ الرحمۃ کی شہادت پر ماتم کیا اور فاتح خوانی کی مجلسیں منعقد کی تو ہندوؤں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس کا برملا اظہار کیا۔

قوم پرستی اور مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر نوازش وعنایت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے حوصلے بڑھ گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب دل کی بات زبان پر آ گئی بڑے سلیقے سے تنظیمیں بنائیں اور مسلمانوں کو شہید کیا گیا مثلاً ''سیوا سمیتی'' کے نام سے ایک ہندو تنظیم وجود میں آئی۔اس کے رضا کار ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کو پانی پلاتے اور ان کو آرام و آسائش پہنچانے میں مدد دیتے۔اسی تنظیم نے جین پور میں مسلمانوں کے خلاف زبردست فساد پیدا کیا۔(۳)

ہرادوار میں مسلمانوں کی ہی دکانیں لٹیں گئیں اور بے غم لیڈر اتحاد ہی کے نعرے بلند کرتے رہے۔بنارس، مرزاپور، اوناؤ، کانپور، آگرہ وغیرہ مقامات میں ہندوؤں نے کیا

---

(۱) مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مسلک دیوبند کے ممتاز عالم دین تھے ابتدا میں سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے تھے لیکن بعد میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر درس وتدریس وفتویٰ نویسی میں گزار دی۔۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر مدفون ہوئے۔

(تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم،ص ۲۳۵،مولفہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

(۲) السواد الاعظم، رجب المرجب 1345ھ،ص 17 / اخبار ہمدم (لکھنو)8 جنوری 1927

(۳) اخبار ''ہمدم'' لکھنو ۲۴ جولائی ۱۹۲۱ء

طوفان برپا کیے؟ کیسے کیسے لرزہ خیز مظالم نہ توڑے، اسی زمانے میں کٹار پور کی ستم رانیاں سامنے آئیں، کئی سوزندہ مسلمان جلا دیئے گئے۔(۱)

یہ سب کچھ ہوا، مگر ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کی جارہی تھیں، مگر قوم پرست مسلمان اس سے چشم پوشی کیے ہوئے تھے جو کچھ ہو رہا تھا، اس کی کہانی حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کی زبانی سنئے:

> ''ان کا طیش اور فتنہ انگیزی و جذبہ مسلم آزاری میں پہلے سے بدرجہ جہاں زیادہ ہوگیا ہے۔ ان کے لیڈر عام مجمعوں میں اپنی قوم میں اشتعال انگیزی کرتے اور انہیں امسلمانوں پر جور و ستم کرنے پر آمادہ کرتے اور اُبھارتے ہیں ہندوؤں کی جماعتوں کی جماعتیں فن سپہ گری اور نبرد آزمائی کی مشقیں کر رہی ہیں، تقریباً تمام کی تمام قوم ہندو عداوت اسلام کے جذبے میں سرشار ہے، روزانہ قتل و غارت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔(۲)

حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مدظلہٗ بیان کرتے ہیں کہ:

''۱۹۳۰ء کے جس ماحول کا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان میں نے بچشم خود دیکھا علماء اہلسنت و جماعت نے اس دور پُر آشوب میں جس سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ ان کے معاصرین سیاست دان اور قوم پرست علماء میں اس کا

---

(۱) السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۴۷ھ، رپورٹ، قاضی احسان الحق نعیمی، ناظم محکمہ تبلیغ دار العلوم اہلسنت و جماعت مراد آباد

(۲) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ، ص ۹

فقدان نظر آتا ہے، چنانچہ تحریک خلافت، تحریک موالات، میں جو حضرات ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے وہ بعد میں یہ سوچنے پر آمادہ ہو گئے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس میں عقل سے زیادہ جذبات کی آمیزش تھی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"۱۹۲۱۔۱۹۲۰ء میں جب خلافت کمیٹیاں کانگریس میں ضم ہو گئیں تھیں۔ اس وقت بھی بتایا گیا تھا کہ ہندوؤں کی دوستی پر اعتماد خلاف قرآن وسنت اور خلاف عقل و تجربہ ہے، مگر "خود رائے لیڈر" یہ بات کب ماننے والے تھے؟۔ علماء اہلسنّت کے درپے آزاد ہو گئے۔ ان کی زندگی اور عزت کے لیے خطرے پیدا کر دیئے گئے۔ انہیں طرح طرح کے بہتانوں سے متہم کیا گیا۔ ان کے ساتھ وہ عناد برتا جو کسی سخت سے سخت کافر کے ساتھ بھی برتا انہیں اپنی زندگی میں کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ لیکن چند سال کے تجربوں نے انہیں یقین دلا دیا کہ علماء اہلسنّت برسرِ حق تھے، ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور اُن پر اعتماد خطرناک اور تباہ کن غلطی تھی۔ آج اس اتحاد کے علمبردار مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی، سید حبیب اور دوسرے لیڈر ہندوؤں کی بے وفائیوں کا رونا رو رہے ہیں اور جو حضرات علماء (اہلسنّت) نے فرمایا تھا، ہو بہو ویسا ہی پا کر اتحاد کے زہریلے اثر سے دور بھاگ رہے ہیں۔ وہی مولوی اور وہی لیڈر جو گاندھی کی اطاعت فرض سمجھتے تھے آج گاندھی کو مسلمانوں کا بدخواہ مان رہے ہیں۔ حیرت ہے!"[1]

(۱) ملاحظہ ہو۔ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ، ص ۱۰۔۱۱، مراد آباد یوپی انڈیا

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی بیان کرتے ہیں کہ فسادات کو ہوا دینے کے لیے ہندوؤں نے نفسیاتی حربے بھی استعمال کیے تھے۔ مثلاً ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں دہلی میں ایک فوٹو چھاپ کر بکثرت تقسیم کیا گیا تھا اور اس میں دو بچوں کی تصویر دکھائی گئی تھی، جنہیں لاہور کا مسلمان، ایک دیوار میں زندہ چنوا رہا ہے اور اس موقع کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''۱۷۶۲ء میں سات اور چھ برس کے بالک دھرم پر بلدان۔ اورنگ زیب عالمگیر کے راج میں لاہور کے ''سرہند'' نے گرو گوبند سنگھ کے دو بالکوں سے کہا کہ تم مسلمان بنو''۔

یعنی زور آور سنگھ، فتح سنگھ نے کہا ''مسلمان نہیں بنیں گے، اسلام میں کون سی اچھی بات ہے، ویدک دھرم سے؟''

سرہند: تمہاری بیگماتوں سے شادی، لونڈیاں خدمت میں حکومت کے لیے اورنگ زیب کے پاس ہیں۔

زور آور سنگھ: بیگماتیں، لونڈیاں، حکومت نہیں چاہتے۔ ۱۷۳۲ء میں گرو تیغ بہادر نے سر دیا تھا۔

سرہند: تم کو زندہ دیوار میں چنوا دیا جائے گا۔

زور آور سنگھ: دھرم پر تیار ہیں۔ (۱)

آپ نے دیکھا کہ ہندوؤں نے ماضی میں مسلمانوں کی تاریخ و کردار کو مسخ کرنے اور ہندوؤں اور سکھوں کو ان کی جانیں لینے کے لیے تیار کرنے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟۔ ایسی تصویر آگ لگانے کے لیے کافی تھی۔ ایسے جذباتی دور میں جمہور کا تنقیدی شعور تقریباً

---

(۱) السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۵۰ھ، ص ۱۲۔

ختم ہو جاتا ہے اور دشمن جو چاہتا ہے ان سے کام لے سکتا ہے۔

غالباً اسی زمانے میں مولانا آزاد نے ''سرمد شہید'' کی مختصر سوانح لکھی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کے کردار کو مسخ کر کے قاری کو دارا شکوہ کی طرف مائل کیا ہے اور سرمد کا ہمدرد و غمخوار بنایا ہے۔ یہ سوانح ''حالات سرمد'' کے عنوان سے رحمانی پریس، دہلی میں طبع ہوا۔ (۱)

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کو علماءِ حق کی جس ہدایت و نصیحت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس کے وہ خود بھی داعی تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو اس انداز سے انتباہ کیا تھا۔

آپ لکھتے ہیں:

''مسلمانو، ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراطِ مستقیم پر قائم رہو، جو علماء بلاد اسلامیہ کے ہم عقائد و ہم خیال ہیں۔ ان کے دامنوں کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ کسی آندھی کا جھونکا، کسی طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے۔ دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن، ہمدردی و محبت کے گیت گا کر دل لبھانے والے خوں خوار تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، تم کو اپنے دامِ فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں''۔

اور پھر انہوں نے ۱۹۲۹ء میں متنبہ کیا:

''مسلمانو! اسلامی احکام کے سامنے گردن جھکاؤ، شریعت کا احترام

(۱) بتصرف السواد الاعظم اور تحریک آزادیٔ ہند، ص ۲۲۸، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اور پاسداری تمہارا فرض ہے، وقت کی نزاکت کو پہچانو! اپنی حالت کو دیکھو۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔ شریعت کے مجرم نہ بنو، اپنی آبرو، پیسہ، وقت ضائع نہ کرو، ہر اخلاق خراب کرنے والی مجلس سے دور بھاگو"۔ (۱)

تاج العلماء کے اس انتہائی تحریر پر اثر اور اپیل سے مسلمانوں کی اصطلاح میں بڑی مدد ملی۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور اجاگر ہوا،، نئے طریقے سے صف بندی کی تحریک پیدا ہوئی اور اپنے حقوق کی حفاظت کا احساس جاگا۔

(۱) السوادالاعظم ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰۔۱۱، مراد آباد

(باب سوم)

تدبیر فلاح ونجات واصلاح اور اس کے اثرات

(باب سوم)

تدبیر فلاح ونجات واصلاح[1] اوراس کے اثرات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حاجی محمد لعل خان نے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے یہ رسالہ بنام ''تدبیر فلاح ونجات واصلاح'' شائع کروایا تھا اور انھوں نے اعلیٰ حضرت سے یہ پوچھا تھا کہ آج کل کے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟۔ اعلیٰ حضرت نے انھیں جواباً فرمایا کہ آپ پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عزوجل نے تو

---

(۱) ۱۷۹۱ء میں امریکی سیاستداں الیگزینڈر ہملٹن نے ''نظریہ تامین'' پر زور دیا اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت کی، جرمنی میں فریڈرک لسٹ (Fredrich lest) نے تامین کی حمایت کی مغربی دنیا نے اس نقطے پر دوسری جنگ عظیم کے بعد عمل کر کے حیرت انگیز ترقی کی مگر فاضل بریلوی نے پہلی جنگ عظیم سے قبل ۱۹۱۲ء میں تامین کی اہمیت کو مسلمانوں میں روشناس کرایا۔ اور اس پر زور دیا دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس، جرمنی، اٹلی کا حال تباہ تھا۔ روم میں ایک کانفرنس ہوئی اور یورپی مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے نتیجے میں عالمی منڈی میں جرمنی سکے کے مقابلے میں ڈالر کی قیمت گھٹ گرا اور وہ سکہ کرنسی بن گیا۔ اس تجربے سے معیشات میں ایک نیا تصور "Theory of economics integration" قائم ہوئی۔ اسی نظریے کے تحت آر۔سی۔ڈی کے نام سے پاکستان، ترکی اور ایران میں معاہدہ ہوا۔ اگر فاضل بریلوی کی ہدایت پر ۱۹۱۲ء میں عمل کر لیا جاتا تو آج مسلمانوں کی معاشی حالت قطعاً مختلف ہوتی۔

حال ہی (دسمبر 2006ء) میں اسلام آباد، پاکستان میں منعقدہ تین روزہ عالمی اسلامی اقتصادی فورم کے اختتام پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اور جسے ملک کے تمام پرنٹ والیکٹرونک میڈیا نے نشر کیا، اس میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے چار نکاتی معاشی و تعلیمی پروگرام کی صدائے بازگشت واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے اداریہ ماہنامہ ''معارفِ رضا، کراچی، شمارہ اکتوبر اور دسمبر 2006 ملاحظہ فرمائیں.......................(نوری غفرلہٗ)

مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور مال (ومتاع) جنت کے بدلے خرید لئے''۔ (سورۃ التوبہ)

برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس جائیں۔ یہاں مسلمانوں پر یہ گزر رہی ہے کہ یہاں کے دینی جلسے جلوس وہی رنگ، وہی ٹھیٹھر، وہی امنگ، وہی تماشے، وہی پارٹیاں، وہی غفلتیں، وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں۔ ابھی ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار روپے دیئے۔ ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ روپے دیئے اور ایک انگریزی یونیورسٹی کے لئے تو تیس لاکھ سے زائد ہی رقوم جمع ہو گئیں۔ صرف ایک رات میں ہمارے مفلس شہر بریلی سے چھبیس ہزار روپے کا چندہ ہوا۔

آج لوگ گاندھی کے کہنے پر مظلوم اسلام کی مدد کیلئے جو کچھ جوش دکھا رہے ہیں۔ آسمان سے بھی اونچے ہیں اور عملی کارروائی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کو ورغلایا جا رہا ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ کریں۔ میں تو ایسے حالات میں اسے پسند نہیں کرتا، نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمانانِ برصغیر اپنی سلامت روی پر قائم رہیں۔ کسی شریر قوم کی حال میں نہ آئیں۔ اپنے اوپر مفت بدگمانی کا موقع نہ دیں۔ ہاں اپنی حالت سنبھالنا اور بدلنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں پر کیا موقوف ویسے ہی چاہیے تھا کہ مسلمان اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیں اور مندرجہ ذیل امور پر سختی سے عمل کریں تو اپنے درپیش مسائل پر باجن وخوبی قابو پا سکتے ہیں۔ اس رسالے میں اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو حقیقی فلاح حاصل

کرنے کے لئے اپنی چار تدابیر کی طرف متوجہ فرما کر مسلمانانِ ہند میں اسلام کا سچا جذبہ بیدار کیا تھا اور جو تدابیر و اصلاح پیش کئے تھے، وہ یہ ہیں:

۱۔ ماسوائے ان امور کے جن میں حکومت کی دخل اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصل کریں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازی پر نہ اُڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوائے کسی سے نہ خریدیں۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔(۱)

۴۔ علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی مندرجہ بالا اہم تجاویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی الاشرفی نے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی خوش حالی کے لیے نہایت نفیس تجاویز پیش کی اور دردمندانہ اپیل کی۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان سیاسی رہنما مسلمانوں کی سیاسی ترقی سے بالکل غافل تھے اور حیرت یہ ہے کہ جو قوم مسلمانوں کی اقتصادی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی، اس سے وُداد، واتحاد کے درپے تھے، گویا اپنے عمل سے ہندوستانی لیڈر مسلمانوں کی رہی سہی اقتصادی قوت کو بھی ختم کر رہے تھے اور ان کو خبر تک نہ تھی کہ ایسے نازک حالات میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا، وہ نہایت ہی حیرت ناک اور تعجب خیز ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو طبقہ علماء کو ناکارہ سمجھتے ہیں۔ (نوری غفرلہ')

---

(۱) فاضل بریلوی کی اس تجویز پر بہت بعد میں عمل ہوا چنانچہ ۱۹۴۱ء میں بمبئی میں حبیب بنک قائم ہوا۔

نوٹ: پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (ایم ایس کوئنز یونیورسٹی کینیڈا) نے اپنے ایک فاضلانہ مقالے میں جدید معاشیات کی روشنی میں ان تدابیر کا جائزہ لیا ہے۔ اور راقم الحروف نے عربی زبان میں ''خطوط الاقتصادی الاسلامی'' کے نام سے تحریر کیا ہے، اور یہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی سے مطبوعہ ہے۔

حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ ملت اسلامیہ کو متوجہ کرتے ہوئے یہ مزید لکھتے ہیں کہ:

مسلمان ،ان حالات کا احساس کریں اور جلد تر اپنی حالت بہتر کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۔ دوسرے تمام مشاغل ترک کردیں، ذرائع معاشی پیدا کریں۔

۲۔ اور بے روزگاروں کے لیے کارآمد تدابیر سوچیں اور عمل میں لائیں۔

۳۔ تمام فضول مصارف قطعاً ترک کردیں، کھیل اور تماشوں میں روپیہ ضائع کرنا موقوف، سیگریٹ موقوف، چائے موقوف، جو حاجت سے زائد ہے اور جس کے بغیر زندگی گزارنا دشوار نہیں ہے۔اپنے خرچ آمدنی سے گھٹائیں۔

۴۔ جس طرح ممکن ہو قرض ادا کریں۔ایک دوسرے کے ادائے قرض میں مدد دیں، یہ اسیروں کی رہائی ہے مردہ قوم کے لیے جاں بخشی ہے۔

۵۔ اگر تمام دماغ جو مختلف افکار میں پریشان رہا کرتے ہیں، اس طرف متوجہ ہوجائیں اور سارے بہی خواہان قوم مسلمانوں کی حالت درست کرنے میں مصروف ہوں تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمانوں کا شمار بھی زندہ قوموں میں ہو۔حضرت فاضل بریلوی پھر ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر، فقیر، غریب، رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنی ایک ماہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ ماہ کی آمدنی میں بارہ مہینے گزارا کرلینا کچھ دشوار نہ ہو اور اگر اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہوجائیں گے۔ یونیورسٹی کے لیے غریب مسلمانوں کا پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زائد جوڑ لیا اور اس پر سود مل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد ہوچکی ہے اور وہ یونیورسٹی بنی بھی نہیں۔ یہ روپے تو گھر سے دینا نہیں اس کو اللہ واحد قہار کی راہ میں بھیج دیجئے۔اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی بھی

بن جائے گی اگر اسلام نہ رہا تو کیا یونیورسٹی بخشوا لے گی؟ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ یونیورسٹی آئندہ بھی نہ بن سکے گی اور کیا کیا لکھوں؟ یہ مرثیہ تو عمر بھر کا ہے۔ مسلمان ان چار باتوں میں س ایک پر بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے"۔ (۱)

تاج العلماء مزید لکھتے ہیں کہ:

"ہمیں افسوس ہے کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے کام کیے، لیڈروں نے بڑی ہلچل مچائی، دنیائے اسلام میں بارہا تلاطم پیدا ہوئے، مگر رہنماؤں نے اس مقصد پر زور نہ دیا اور کبھی سرگرم عمل نہ ہوئے، کاش اب بھی احساس کریں۔ (۲) اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کی معاشی حالت سدھارنے کے لیے جو تجاویز پیش کی ہیں، قریباً ۵۷ سال گزرنے کے باوجود آج بھی پاکستان کے مسلمان اس پر عمل کریں تو ان کی مجموعی حالت درست ہوسکتی ہے اور اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بار ہلکا ہوسکتا ہے، مگر اس کے لیے بڑے عزم و ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ (۳)

جس دور میں تاج العلماء نے یہ تجاویز پیش کی تھیں، ہندو مسلم اتحاد کی باتیں ہو رہی تھیں اور جو کچھ ہو رہا تھا، اس تصور سے روح اسلام کانپتی نظر آتی ہے۔ ایسے دور میں جب کہ ہمتیں پست ہوگئی تھیں، کسی ہندو لیڈر خصوصاً ان کے سرغنہ کو دعوتِ اسلام دینا بڑے عزم و حوصلہ کی بات تھی اور یہ وہی شخص کرسکتا تھا جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت اور اسلام کا درد جاگزیں ہو اور وہ حکمت و موعظت کے ساتھ تبلیغ دین

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۴۳، حصہ اول، مطبوعہ لاہور

(۲) السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ، ص ۶

(۳) تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۹۵

کا فریضہ انجام دینے کا اہل ہو۔ ایسی ہمت کرنا یقیناً بڑی بات تھی۔ آیئے ذرا تاج العلماء کی مسٹر گاندھی کے نام دعوتِ اسلام ملاحظہ کریں۔ ایک ایک لفظ جرأت ایمانی اور اسلام کے درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں جب مسٹر گاندھی نے ہندوؤں سے چھوت چھات ختم کر کے اچھوتوں کو ملانا چاہا تو اس موقع پر تاج العلماء نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی اور فرمایا:

''اے ہندوؤں کے عالی ہمت، بلند حوصلہ لیڈر، تو نے ایک دیرینہ غلطی کو دور کرنے کے لیے بھوک ہڑتال کی جو غلطی ہندو قوم کی انسانی حقوق کے متعلق تھی، تو کیا اے شیر دل بہادر، تجھ میں یہ بھی ہمت ہے؟ یہ بھی حوصلہ ہے کہ تو خداوند عالم سے بغاوت کرنے کی رسم و آئین کو مٹانے کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو؟۔ اگر تو چھوت توڑ کر انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے بھوک ہڑتال کر سکتا ہے تو بت پرستی مٹا کر شان کبریائی کا حق عبدیت ادا کرنے کے لیے کوئی قربانی تیری تجویز میں ہے؟۔ اگر تو نے سیاسی میدان سے قدم آگے بڑھا کر ہندوستان کے کثیر انسانوں کی روحانی زندگی کی طرف قوم بڑھانے کی تحریک کی تو تیری سعی مبارک ہے، تیرا عمل مقبول ہے تو واقعی سچا خیر خواہ ہے اور تو واقعی ہندوستان کا اصلی محسن ہے''۔ (۱)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''تو جس طرح سات کروڑ اچھوتوں کے مذہبی عقیدے کے سامنے سرِ نیاز جھکا کر انہیں اپنے ساتھ لے سکتا ہے، اس طرح آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اعتقاد

(۱) السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۵۱ھ، ص ۵

کے سامنے بھی سر تسلیم خم کر کے اس جماعت کو اپنے میں ضم کر سکتا تھا۔ ہندو دھرم کے اٹل عقیدوں کو توڑ کر اگر بھنگی سے برادری کی جا سکتی ہے تو اسی تدبیر سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لینا کیا مشکل ہے؟ توحید کی رسالت کی صدائیں مسلمانوں کی ہم آہنگی کرو تو کیسی اکثریت؟ ہندوستان کی تمام آبادی تمہارے ساتھ ہے۔ پھر حکومت کی لیے جو دستور بنے گا، اس میں کوئی منازعت کرنے اور جھگڑا اٹھانے والا ہی نہ ہوگا، اے سیاسی لیڈر! ذرا اور دُور بینی سے کام لے کے ایک قدم اور آگے بڑھا، پھر میدان تیرے ہاتھ میں ہے۔(۱)

تاج العلماء نے مسٹر گاندھی کو جو مخلصانہ دعوت دی تھی وہ دل کی آواز اور وقت کی پکار تھی، اگر وہ اس طرف متوجہ ہوتے اور یہ دعوت قبول کر لیتے تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ نہ وہ اپنے نفس کے ساتھ مخلص تھے اور ہندوستان کی عوام کے ساتھ۔

اس ضمن میں جمہوریہ وسطی افریقہ کے صدر کے قبول اسلام کا واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ہوا یہ کہ اکتوبر ۱۹۷۶ء جمہوریہ وسطی افریقہ کے صدر بوسا کا (صلاح الدین احمد) نے اپنے اعیان مملکت اور اہل و عیال کے ساتھ لیبیا کے صدر معمر قذافی کے دورے کے موقع پر ان کی ''موجودگی'' میں اسلام قبول کیا اور اپنی رعایا سے اپیل کی کہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ (صدر کے اس عمل اور اعلان سے کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے) کاش اسی طرح مسٹر گاندھی بھی تاج العلماء کی دعوت پر اسلام قبول کر لیتے اور پھر ہندوستانی عوام کو دعوتِ اسلام دیتے تو ایک عظیم الشان انقلاب آتا۔ دورنگی ختم کے سر رہتا، جس کے لیے وہ عرصہ سے کوشاں تھے۔

(۱) السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۵۱ھ، ص ۶-۷

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اپنے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں دہلی میں مسٹر گاندھی اپنے دعائیہ اجلاس (پراتھنا) کا آغاز تلاوت سورت فاتحہ و اخلاص سے کرتے تھے۔ غالباً اسی لیے مسلم آبادی کے بعض لوگ ان کو مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ ان کی موت پر انہی کی طرف سے فاتحہ وغیرہ کا بھی اہتمام کیا گیا اور اب بھی ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ ہندو ہی تھے اور ہندومت کے زبردست داعی۔ اگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا لیتے تو برصغیر کا سیاسی حل بحسن خوبی نکل آتا اور ہولناک کشت وخون نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ تاج العلماء کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا اور تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کے ذریعے مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر اپنے پنہاں عزائم کی تکمیل کی۔ (۱)

اس طرح مسٹر گاندھی نے برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں ہندو اور مسلم اقوام میں بعض نفرت اور عداوت کا وہ بیج بویا جو آج آزادی کے ساٹھ برس گزرنے کے باوجود پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کی سیاست میں زہر گھول رہا ہے اور ان کی معاشی ترقی اور فلاح و بہبود میں سدِ راہ بنا ہوا ہے۔

(۱) السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۵۱ھ، ص ۵

(بابِ چہارم)

ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

(بابِ چہارم)

ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

تحریک خلافت اور پھر ترک موالات (۲۰۔۱۹۱۹ء) کے دور میں فاضل بریلوی کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا گیا، یہ دور نہایت جذباتی دور تھا مگر اس پرُ آشوب دور میں فاضل بریلوی ان کے خلفاء، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے جس سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت کا ثبوت دیا اس کی قدر اگرچہ اس وقت نہ کی گئی مگر آج کا مورخ مجبور ہے کہ اس بصیرت اور عاقبت اندیشی کو خراج عقیدت پیش کرے۔

اس دور میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک فتوی بنام ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام'' ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء مطبوعہ حسنی پریس بریلی سے اس وقت شائع ہوا، جب ہندوستان کے بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر سود کو جائز قرار دیا۔ ان کا تعاقب کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

''عجب ان سے جو تحلیل ربو (سود) کیلئے جس کی حرمت نصوصِ قطعیہ قرآنیہ سے ثابت اور اس پر کیسی کیسی سخت وعیدیں وارد، اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت و استطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، گویا یہ بلاد اسی دن کیلئے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اٹھایئے اور بآرام تام وطن مالوف میں سیر فرمایئے۔ استغفراللہ۔

''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ''(۱)

واضح رہے کہ حضرت فاضل بریلوی مصلحت وقت کے تحت فتویٰ دینے کے خلاف

(۱) اعلام الاعلام، صفحہ ۷، مصنفہ امام احمد رضا خان بریلوی

تھے یعنی جب معاش مصالح کے بناء پر سود لینے کو جی چاہا تو ہندوستان کو دارالحرب بنادیا اور جب سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کو ترک وطن کے لئے مجبور کرنا چاہا تو پھر دارالحرب بنادیا۔ایں چہ بوالعجبی است؟۔(۱)

ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مفتی پرکھنے والی آنکھیں رکھتا ہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ بقدرِ استطاعت ملک کی آزادی کیلئے کوشش کریں،لیکن حیرت ہے کہ اس موقف کے مخالفین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینا تو اپنے حق سے عملاً دست برداری ہوگی، کیونکہ اس طرح ہجرت فرض ہوجاتی ہے اور استخلاص وطن کیلئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ حیرت ہے! ایک ہزار سال تک حکومت کرکے اتنی جلدی اپنے حق سے دستبردار ہونا نہ قرین عقل ہے اور نہ ہی قرین انصاف! پھر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ انگریزی راج میں ہندوستان دارالحرب ہوسکتا ہے تو آج ہندو راج میں کیوں نہیں؟ حالانکہ شعار احکام واسلام پر عمل کرنے میں انگریزوں کی عملداری میں جو آزادی تھی، اب اتنی آزادی نہیں۔اس سے شک ہوتا ہے کہ فیصلے مصلحتِ وقت کے تحت کئے گئے اور اس مصلحت اندیشی نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچایا۔

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں بدایوں سے مرزا علی بیگ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی سے تین سوالات کے بالترتیب جوابات مانگے جو مندرج ذیل ہیں اور جس کے جواب میں فاضل بریلوی نے ”اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام“ لکھی۔

پہلا سوال: ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

دوسرا سوال: دورِ حاضر کے یہود ونصاریٰ کتابی ہیں یا مشرک؟

تیسرا سوال: مبتدعین داخل مرتین ہیں یا نہیں؟

(۱) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، حاشیہ ص ۱۰۵، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

''ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہونے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم، امام الائمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں''۔ (۱)

احکام کے اعتبار سے آبادیوں کی تقسیم دو طرح پر ہے دار الاسلام اور دار الحرب۔ ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی ہندوستان دارالاسلام تھا لیکن جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط عام ہوگیا تو علماء کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی کہ اب ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟۔ چنانچہ علماء کے ایک گروہ نے اس پر فتویٰ دیا کہ ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام بلکہ دارالامن ہے۔ مثلاً:

مفتی کفایت اللہ صاحب نے ہندوستان کو دارالامن قرار دیا ہے۔

مفتی انور شاہ کشمیری صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان دارالامن ہے، ''ملک ما اگر ہست دارلامان است''۔ (مہاجر نمبر ۳۴)

جہاں تک کتب فقہ کا تعلق ہے، اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی گئی مگر دارالامن قسم کا کوئی شہر کسی کتاب میں نہ ملا۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ آبادی یا تو دارالاسلام ہوگی یا دارالحرب۔ کچھ علماء نے ہندوستان کو دارالحرب ہونا بتایا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۵۹/۱۲۳۹ھ) نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ، ص ۱۶)

---

(۱) اعلام الاعلام، ص ۲ تا ۸، امام احمد رضا خان بریلوی

کچھ علماء نے فیصلہ ہی نہیں کیا بلکہ زندگی بھر تردّد میں رہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں فرماتے ہیں۔

''ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیق حال ہند کی خوب نہیں ہوئی''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۴۳)

حالانکہ مسئلہ بالکل ظاہر ہے۔ عام کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان انگریزوں کے عہد میں بھی اور آج بھی دارالاسلام ہے۔ ہندوستان کے بارے میں کچھ لوگ اس بنیاد پر دھوکے میں پڑ گئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں دارالاسلام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت بھی ہو۔ یہاں دو صورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک یہ کہ دارالاسلام، دارالحرب کب ہوگا؟ یعنی ایک ملک دارالاسلام تھا پھر اس پر کافروں کا قبضہ ہو گیا تو محض کفار کے قبضہ ہی سے وہ دارالحرب ہو جائے گا یا اس کے لیے اور بھی شرائط ہیں؟۔ کچھ لوگوں نے کتب فقہ پر نظریں ڈالیں اور اجتہاد کر لیا کہ جب مسلمانوں کے تسلط سے دارالحرب، دارالاسلام ہو جاتا ہے تو کفار کے تسلط سے دارالاسلام، دارالحرب ہو جائے گا یا بیچ میں لٹک کر دارالامن ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ کفار کے تسلط کے ساتھ ساتھ دو اہم شرطیں اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ اس بستی میں احکام اسلامیہ بالکل بند کر دیئے جائیں۔ دوسری یہ کہ اس کی کوئی سرحد دارالاسلام سے نہ ملتی ہو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک دارالاسلام کے دارالحرب ہونے کیلئے تین چیزیں ہونی ضروری ہیں:

(۱) کفار کا تسلطِ تام (۲) احکام اسلام کا بالکلیہ بند ہونا

(۳) دارالاسلام سے اس کی سرحد کا نہ ملا ہونا۔

اگر ان تین میں سے ایک شرط بھی مرتفع (اٹھ) ہو جائے تو دارالاسلام ہی ہوگا، مثلاً کفار کا تسلط ہے، مگر احکام اسلام کل نہ سہی بعض اسی طرح باقی ہیں، مثلاً جمعہ، عیدین، نماز پنجگانہ، داڑھی رکھنا وغیرہ وغیرہ تو وہ دارالاسلام ہی ہوگا۔ جیسا کہ ہندوستان انگریزوں کے

زمانے میں بھی دارالاسلام تھا اور اگرچہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو کم از کم اتنا تو ضرور تھا کہ اس کی سرحد ایران اور افغانستان اور اسلامی ملکوں سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لیے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اس قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ اہل اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہا شرائع شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان کرتے ہیں۔ فرائض نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعۃ، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ، وقف وصیت شفعہ وغیرہا بہت سے معاملات مسلمین ہماری شریعت پر فیصل ہوتے ہیں۔ (۱)

جواب دوم یہ ہے کہ، نصاریٰ باعتبار لغویہ بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطعی قائل بہ تثلیث ونبوت ہیں۔ اس طرح یہود جو اُلوھیت اور ابنیت عزیر علیہ السلام کے قائل تھے۔

فاضل بریلوی اس مسئلے پر اختلافات علماء بیان کرتے ہوئے آخر میں اپنی رائے دیتے ہیں۔ "احتیاط اسی میں ہے کہ نصاریٰ کے نساء وذبائح سے احتراز کیا جائے اور آج کل بعض یہود ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ السلام کو ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم ہے"۔ (۲)

---

(۱) اعلام الاعلام ہندوستان دارالاسلام، ص ۲، مولفہ مولانا احمد رضان خان بریلوی

(۲) اعلام الاعلام ہندوستان دارالاسلام، ص ۱۲، مولفہ مولانا احمد رضان خان بریلوی

(باب پنجم)

فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء

(باب پنجم)

فاضلِ بریلوی اور ان کے خلفاء

۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے انتقال کے پانچ سال بعد یعنی مارچ ۱۹۲۵ء مراد آباد (بھارت) میں علماء اہل سنت و مشائخ کی چار روزہ کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اہل سنت و جماعت کی تنظیم ''الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ'' (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی جبکہ صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہما کا انتخاب عمل میں آیا اور کانفرنس کے صدر مجلس استقبالیہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ تھے، جن کی طرف سے خطبہ صدارت پڑھا گیا جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے درپیش مسائل کیمفصل نشاندہی کی گئی تھی اور اس کی روشنی میں اس تنظیم کے حسب ذیل مقاصد ترتیب دیئے گئے۔

اس تنظیم کے حسب ذیل مقاصد تھے:

۱۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک رابطہ پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیت عالیہ کے ساتھ مربوط کرنا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ، وسیع کرنا اور اس کے لیے مفید ذرائع اختیار کرنا۔

۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لیے خاص مدارس کھولنا۔

۵۔ مذہبی تعلیم عام کر کے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر اور شائستہ بنانا۔

(الف) انگریزی خواں طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہنچانا۔

(ب) مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لیے مدارس شبینہ جاری کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔

۷۔ مسلمانوں سے قرض کی عادت چھوڑوانا اور ایسی تدابیر اختیار کانا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔

۸۔ مقروض مسلمانوں کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا کہ وہ ایک محدود و مدت میں قرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

۹۔ بے کار مسلمانوں کے لیے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔(۱)

واضح رہے کہ جامعہ نعیمیہ میں ''الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ'' یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس کی تشکیل کے بعد ہندوستان کے طول وعرض میں اس کے اجلاس ہوئے اور بہت سی مفید قراردادیں پاس کی گئیں۔ ۶ر مئی تا ۸ر مئی ۱۹۲۷ء کو (ضلع مظفر پور، صوبہ بہار میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا، جس کے صدر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ تھے اور صدر جلسہ مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ تھے، اس کانفرنس میں مذہبی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت کی بہت سی قراردادیں بھی پاس ہوئیں۔ (۲)

---

(۱) السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ، ص ۵

(۲) السواد الاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ، ص ۱۲۔۱۳

اسی طرح ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس پھر مراد آباد میں ہوا، جس میں جموں و کشمیر میں محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے داخلے پر پابندی گجراتی اخبار ہندو (سورت) کی دریدہ دہنی اور اس کے جواب میں سلیمان ابراہیم مدیر رسالہ آفتاب اسلام (احمد آباد) کی کتاب کے بارے میں قراردادیں پاس ہوئیں"۔ (۱)

۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد ہی میں ایک اور اجلاس ہوا جس میں نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف قرارداد پاس ہوئیں اور لازمی تعلیم کے ساتھ جزوی طور پر مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے حق میں بھی قرارداد پاس ہوئی۔ (۲)

۲۔ راج کوٹ (کاٹھیاواڑ) میں مولوی ابوالکمال مراد آبادی کی کوشش سے ۱۱ محرم ۱۳۴۹ھ کے اجلاس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی شاخ قائم کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔ (۳)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس ملک کے طول و عرض میں منعقد کیے گئے اور اس کا مقصد وحید وہ تھا جس کا اظہار تاج العلماء نے اس طرح کیا تھا:

> "ہندوستان کے لیے مراعات طلب کرنے میں اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کی پروا نہیں کی تو مسلمان اپنی آواز خود علیحدہ کیوں نہ اٹھائیں، اپنے لیے ضروری او رمناسب مراعات کیوں نہ طلب کریں، اپنے حقوق کے مطالبہ سے کیوں زبان روکیں"۔ (۴)

---

(۱) السواد الاعظم صفر المظفر ۱۳۴۷ھ، ص ۱۸

(۲) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۹۴۷ء، ص ۴

(۳) السواد الاعظم، محرم ۱۳۴۹ھ، ص ۱۳

(۴) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۹۴۹ء، ص ۱۲

اس مقصدِ عظمٰی کا اظہار ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ میں کیا گیا تھا، یہی وہ زمانہ ہے جب علاّمہ اقبال اس طرف متوجہ ہوئے اور قائداعظم نے عملی طور پر ۱۹۳۳ء میں مسلم لیگ میں دوبارہ شامل ہونے کے بعد مسلمانوں کی ملی وحدت کے لیے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۲۰رمئی سے ۲۲مئی ۱۹۳۰ء کو (ضلع مالدہ بنگال) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا۔ ۲۰رمئی کو تاج العلماء اور صدر الافاضل کے شیخ طریقت حضرت شاہ ابواحمد محمد علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ (جیلانی سجادہ نشین کچھوچھہ شریف) بحیثیت صدر کانفرنس تشریف لائے۔ ۲۱رمئی کو حضرت صدر الافاضل تشریف لائے۔ روزانہ دو اجلاس ہوتے تھے۔ صبح سے ۱۱ بجے تک اور پھر عصر سے رات گئے تک (ماسوائے وقفہ نماز)۔ آخری اجلاس میں صدر الافاضل نے چار گھنٹے تقرر فرمائی۔(۱)

اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا گیا:

۱۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کانگریس کی تحریکات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے۔ مذہب کا یہی حکم ہے اور اقتصادی مصالح کا بھی یہی اقتضاء ہے۔

۲۔ یہ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند کی گمراہ کن پالیسی پر اظہار نفرت کرتا ہے جو اس نے ہندوؤں کے اشارے سے مسلمانوں کو کانگریسی تحریکات کی تائید پر ابھارنے میں اختیار کر رکھی ہے اور ہم ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء صرف چند خود غرض شخصیتوں کا نام ہے جو کٹھ پتلی کی طرح بالکل ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ جماعت مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بھی نہیں اور نہ ہی مسلمان اس جمعیۃ کو اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۳۔ یہ جلسہ فلسطین کانفرنس بمبئی کی منظور شدہ تجاویز کی تائید کرتا ہے۔(۲)

---

(۱) السوادالاعظم، محرم۱۳۴۹ھ، ص۳

(۲) السوادالاعظم، محرم۱۳۴۹ھ، ص۴۔۳

یہ قرارداد ناظم محکمہ تبلیغ آل انڈیا سنی کانفرنس قاضی محمد احسان الحق نعیمی نے پیش کی تھی۔
بنگال کی اس سہ روزہ کانفرنس کے بعد صدر الافاضل دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے ۳ر جون ۱۹۳۰ء کو، بھاگلپور تشریف لائے اور وہاں ایک جامع و مدلّل تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

"جمعیۃ العلماء نے کانگریسی تحریکات کی شرکت منظور کر کے مسلمانوں میں ایک نئے تفرقہ و اختلاف کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمان آپس میں کٹ مریں گے اور ان کی قوتیں باہمی مخالفت پر ضائع ہو جائیں گی"۔

حضرت صدر الافاضل نے جس اندیشہ کا اظہار فرمایا گردشِ دوران نے اس کو سچ کر دکھایا اور آج تک ہم اس فتنے کے اثرات سے کلیۃً محفوظ نہ رہ سکے۔

20 محرم الحرام 1349ھ قصبہ نبی پور (گجرات) کی جامع مسجد میں انجمن اہلسنّت و جماعت کا جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت قاضی اسماعیل نے کی۔ اس جلسہ میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ یہ جلسہ گاندھی کی موجودہ تحریک آزادی و سول نافرمانی میں موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہندوؤں کے ظلم و ستم کا خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کو گاندھی کی آندھی میں شرکت کرنے سے منع کرتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ جمعیۃ علماء ہند دہلی جو دیوبندیوں، وہابیوں پر مشتمل ہے اور آج کل کے گاندھی نما شکلوں کے ہاتھ کھلونا بنی ہوئی ہے اور جنہوں نے ہندوؤں کے ساتھ اس موقع پر اتحاد کیا اور وہ کانگریس اور گاندھی کی تحریکِ آزادی سول نافرمانی میں جذب ہو گئے، اس کو ہم انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔(۱)

---

(۱) السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۴۹ھ، ص ۱۸، بتصرف تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۲۵۰، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں مولوی عبدالرشید صاحب نے بنارس میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے اجلاس منعقد کئے اور پاک و ہند کے تمام خانقاہوں اور آستانوں کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت ''السواد الاعظم'' (شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ) میں شائع ہوئی۔

اس پر فاضل مدیر، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے جو دردمندانہ تبصرہ فرمایا ہے، وہ قابل مطالعہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

''آج دنیا کی ہر قوم اپنی ترقی کے لیے دشوار ترین منزلیں حوصلہ مندی کے ساتھ طے کر رہی ہیں، مگر ہم ایک جسم مردہ کی طرح بے حس و حرکت پڑے ہیں، ہم مٹتے جارہے ہیں اور ہمیں اپنی حفاظت کا خیال تک بھی نہیں آتا، کاش کہ ہم میں آثار حیات عود کریں، ہماری آنکھ کھلے، ہمارے ہوش درست ہوں، ہم میں جذبہ عمل پیدا ہو، وہ اسلاف جن کے ناموں پر فخر کیا کرتے ہیں، جن کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنے وقار و اقتدار کے سکے جمایا کرتے ہیں، اے کاش ہم ان کی راہ پر دو چار ہی قدم چل سکیں، مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں درد ملت ہو!''۔ (۱)

جس کسمپرسی کے عالم میں آل انڈیا سنی کانفرنس قائم کی گئی اور اس کے اجلاس بلائے گئے۔ اس کا کچھ اندازہ اس پُرسوز اپیل سے ہوتا ہے جو حضرت تاج العلماء نے ان الفاظ میں پیش کی تھی:

''ظاہر ہے کہ دنیا کا سروسامان ہمارے پاس نہیں، ہمارے طبقہ کا

(۱) السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ، ص ۲

طبقہ غریب ہے، نادار ہے، بے زر ہے، ہم دوسروں کی طرح کثیر اموال خرچ کرنے کے قابل نہیں، ہم میں وسعت نہیں کہ اپنے اکابر اور حامیان ملّت کو جمع کرنے کے لیے ان کے مصارف سفر کا تکفل بھی کر سکیں۔ ہم میں طاقت نہیں کہ ہم ان کے شان کے لائق میزبانی کی خدمتیں انجام دے سکیں۔ اس لیے ہم دردمندانہ ملّت سے التجا کرتے ہیں کہ اگر وہ اس اجتماع کو دین وملت کے لیے نافع خیال فرمائیں تو زحمت سفر بھی برداشت کریں۔ (۱)

اس کانفرنس سے کچھ قبل ۸؍ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ کو کچھوچھہ (ضلع اٹاوہ بھارت) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس ہوا، جس میں مفتی سید مصباح الحسن صاحب سجادہ نشین آستانہ صمدیہ پھپھوند اور صدر جماعت استقبالیہ سنی کانفرنس کا خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا گیا، اس میں مفتی صاحب نے صدر الافاضل کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:

''مقام مسرت ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے عالی قدر ناظم اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور کانفرنس کے دوسرے اکابر و کارکنان نے تین سال سے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد سنی کانفرنس کی تشکیل کا مبارک آغاز فرمایا اور آج الحمد للہ، اس ادارے کی ہر صوبہ کے اندر شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور سنی کانفرنس کی اہمیت و ضرورت کا احساس طبقۂ اہل سنت میں پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ (۲)

(۱) السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ، ص ۱

(۲) خطبہ صدارت، مصباح الحسن، ص ۴، مطبوعہ مرادآباد

آپ سیاست حاضرہ کے عنوان سے اِس خطبے میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''عصر حاضر میں مسلمانانِ ہند کی سیاست نے ۱۹۴۲ء سے جو نئی کورٹ بدلی ہے اور مسئلہ پاکستان یعنی قیام حکومت اسلامیہ کا جو جذبہ عوام وخواص میں پیدا ہو رہا ہے، اسے ہمارے علماء اہل سنت نے یہی نہیں کہ دور بیٹھ کر صرف مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ ہماری جماعت کے محترم علماء کرام، مجاہدانہ حیثیت سے اول تا آخر اس جذبہ کے محرک کے موئید بنے ہوئے ہیں اور کانگریس جیسی ہندو جماعت کے مقابلے پر دس سال کے طویل زمانے سے بے پناہ خدمات انجام دے کر کانگریس کی ہر تحریک کو مردہ کر چکے ہیں''۔ (۱)

مفتی مصباح الحسن نے علماء اہل سنت کی جن مجاہدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ فرمایا اس کا نقطۂ عروج بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس کے وہ چار روزہ اجلاس تھے جو تحریک پاکستان میں نہایت مؤثر اور انقلاب انگیز ثابت ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے مختصر حالات وکوائف پیش کر دیے جائیں۔

۲۴؍ جمادی الاولیٰ تا ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ء (۲۷؍ اپریل تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۴۶ء) بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے۔ چاروں دن اجلاس کی صدارت محدث علی پوری حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب (۱۳۷۰ء/۱۹۵۱ء) نے فرمائی۔

ان اجلاس میں پاک و ہند کے تقریباً دو ہزار علماء کرام اور ۶۰ ہزار دوسرے عام حاضرین شریک تھے۔ خطبۂ صدارت حضرت مولانا شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م۔۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) نے دیا۔ یہ خطبہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے نہایت اہم ہے اور

(۱) خطبہ صدارت، مصباح الحسن، ص ۷۔۶، مطبوعہ مراد آباد

اس قابل ہے کہ کوئی سنجیدہ مورخ و سیاست داں گہری نظر سے اس کا مطالعہ کر کے اس کی اصلی قدر و قیمت سے محبانِ وطن کو آشنا کرے۔ اس میں پاکستان اور مسلمانوں کے معاشی و علمی و سیاسی مسائل کے بارے میں جو انقلاب انگیز اور صاف ستھرے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ توجہ کے قابل ہیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئی ان میں نظریۂ پاکستان کی خاص طور پر حمایت کی گئی ہے۔ چنانچہ ۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹ بجے تا ایک بجے دوپہر باغ فاطماں میں جو اجلاس ہوا اس میں پاکستان کے بارے میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ ''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ حکیم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہوں۔ (۱)

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کیلئے مکمل لائحہ عمل (اور مستقل دستور) مرتب کرنے کیلئے مندرجہ ذیل علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دی جائے اور حسب ضرورت و مصلحت ممبران میں اضافہ کرے اور اس طرح اضافہ کرے کہ تمام صوبہ جات سے مفتی نمائندے لئے جائیں''۔

چنانچہ درج ذیل مشاہیر علماء و فقہاء کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) مولانا شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی

(۲) صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

---

(۱) مختصر رپورٹ خطبہ صدارتِ جمہوریت اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد

(۳) مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی

(۴) مولانا امجد علی اعظمی

(۵) مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی

(۶) مولانا شاہ محمد عبد الحامد بدایونی

(۷) مولانا شاہ سید دیوان آل رسول علی خان (سجادہ نشین اجمیر شریف)

(۸) حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد لاہوری

(۹) مولانا شاہ قمر الدین (سجادہ نشین سیال شریف)

(۱۰) مولانا پیر سید شاہ عبد الرحمٰن (بھرچونڈی سندھ)

(۱۱) مولانا شاہ پیر سید زین الحسنات صاحب (مانکی شریف، پشاور)

(۱۲) خان بہادر حاجی بخش مصطفیٰ علی (مدراس)

(۱۳) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد لاہور وغیرہم (۱)

(۱) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، ص ۱۰۹۔۱۱۰۔ مولفہ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ گجرات

(باب ششم)

تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء

(باب ششم)

تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء

بالعموم تقسیم ہند کا ذمہ دار قائداعظم محمد علی جناح کو قرار دیا جاتا ہے جو ایک تاریخی غلط فہمی ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (سرپرست ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی) سب سے پہلے تقسیم ہند کے سلسلے میں مفصل تجاویز ۱۹۲۵ء میں اہلسنّت و جماعت کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی نے پیش کی تھی۔ انھوں نے ہندو مسلم اتحاد پر ایک کھلا خط گاندھی کے نام لکھا تھا۔ مطبوعہ علی گڑھ ص ۵۵ پر یہ عبارات موجود ہیں۔

ا۔ ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بناء پر اس طرح تقسیم کی جائے کہ ہر قوم کے لئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبہ جا بنائے جا سکتے ہیں۔ (۱)

الف) صوبہ سرحدی (سرحد، بلوچستان) اور مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی، اٹک، جہلم، گجرات، میانوالی، جھنگ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور ملتان کو یکجا کر کے ایک صوبہ بنایا جائے۔

ب) بنگال میں بوگرا، رنگ پور، تاج پور، دیناج پور، جیسور، ندیا،، فرید پور، ڈھاکہ، راجشاہی، پبنا، میمن سنگھ، باقر گنج، نوا کھالی، ٹیرپوا، چٹا گانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

ج) سندھ کو بمبئی ریسیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

---

(۱) بقصرف تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۲۷۵۔۲۷۶، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز داتا دربار لاہور

(۲) یہ بات اصولاً طے کردی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم ونسق اس کے کثیر تعداد رعایا کے مفاد کے لئے کیا جائے گا۔

(۳) قلیل تعداد اقوام کی حفاظت اور ادائے مراسم مذہبی وحقوق ملازمت وغیرہ کیلئے قواعد مرتب کرلیے جائیں۔

(۴) تبادلہ آبادی کیلئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیلی سکونت کرسکیں۔

(۵) کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کیلئے پیش کیا جائے۔

۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر اقبال نے الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے 21ویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم اسی تجویز کو آگے بڑھایا۔ پھر یہی تجویز ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی گئی۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ طبقہ علماء میں پہلے عالم دین ہیں جنھوں نے ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد میں اس تجویز کی پرزور تائید کی تھی۔ (۱)

اور انہوں نے فرمایا کہ ''ڈاکٹر اقبال کی رائے بالکل درست ہے اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جس کے ایک حصہ میں ہندوؤں کا اقتدار ہوگا اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کسی قدر اس پر غیض وغیظ آیا۔ یہ (اس وقت کے) ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس کے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اس نسبت سے نفع ملتا تھا۔

(۱) قرارداد پاکستان تاریخ اور تجزیہ ص ۱۳۶، مولفہ خواجہ رضی حیدر، مطبوعہ دیوان آگہی کراچی ۱۹۹۰ء

کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انھیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقاء کی ایک صورت اس میں نظر آ رہی تھی اور انھیں تو ڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا، اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور کرے گا اور مستقبل میں کیا صورتیں سامنے لائے گا۔ لیکن ہندو اس وقت ایسی خالی بات بھی نوکِ زبان پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو۔ اس حالت میں بھی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس! کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک مطالبہ ہو اور ایک آواز۔ گو اس میں اندیشہ ہے کہ بعض صاحبوں کی لیڈری اور پیشوائی کا علم بلند ہونے سے رہ جائے گا مگر وہ اپنی اس خواہش کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھیں۔

پھر صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے علامہ اقبال کی تائید کے تقریباً ایک سال بعد جب کہ لندن میں گول میز کانفرنس جاری تھی، اپنے ایک اداریہ میں دو قومی نظریہ کی روشنی میں مسلم مناقشات کا حل تجویز کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کرلیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور اس کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہئے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کرلیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اسی علاقوں والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقوں میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی"۔ (۱)

(۱) تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۷۸، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز، لاہور

مذکورہ بالا تاثرات میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے کئی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہندو فطری طور پر کسی ایسے خیال کے بھی روادار نہیں جس میں کہ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی بھلائی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ قوم پرست علماء جنھیں جمعیۃ علماء ہند کہا جاتا ہے ایسے نازک وقت میں اگر مسلمانوں کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش ہی رہیں تاکہ مسلمانوں کے بہی خواہوں کی راہ میں رکاوٹ تو پیدا نہ ہو۔ لیکن لیڈری کا ذوق وشوق بہت برا ہوتا ہے یہ بھی ایک طرح کا نشہ ہے جب لگ جاتا ہے چھوٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ نصیحت کی کہ مسلمان قوم پرست لیڈر ایثار وقربانی سے کام لے کر کچھ عرصہ بیٹھ جائیں۔

۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی (المتوفی ۱۹۵۱ء) نے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کی تجویز کی تائید کی تھی اور اسی سال انھوں نے (غالباً سب سے پہلے) جدید اسلامی ریاست کا نام ''پاکستان'' تجویز کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان لاہور میں منظور ہوئی۔ اس موقع پر بھی علماء اہلسنّت کے جلیل القدر علماء مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا ابوالحسنات احمد قادری اور مولانا عبدالحامد بدایونی علیہم الرحمۃ اسٹیج پر موجود تھے اور ضروری مشورے دیئے۔

۱۹۴۶ء میں علماء اہلسنّت اور مشائخ نے پورے ہندوستان کا دورہ کر کے جمعیۃ المرکزیہ العالیہ یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے انعقاد کے لئے اعلان کر دیا اور ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۴ تا ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ کو پورے ہندوستان سے علماء مشائخ اہلسنّت قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور ساٹھ ہزار سے زائد عام مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا اجتماع، بنارس کی سرزمین پر امنڈ آیا اور حضرت رئیس المحدثین امام المتکلمین مولانا الحاج السید الشاہ ابوالمحامد سید محمد الاشرفی الجیلانی المعروف بہ محدث کچھوچھوی (صدر جماعت استقبالیہ) کے ہر ہر لفظ اور فقرے پر جھوم جھوم رہا تھا۔ تحسین مرحبا ونعرہائے تکبیر ورسالت

سے بنارس کی فضاء آسمانی گونج رہی تھی۔ اس عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں ہزاروں علماء ومشائخ اور عوام اہلسنت ہند نے قراردادِ پاکستان کی زبردست حمایت وتائید کی۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناح ودیگر سیاسی قائدین اور علماء اہلسنّت ومشائخ کی مشترکہ جدوجہد سے ہی حقیقتاً پاکستان وجود میں آ گیا۔

راقم الحروف کی رائے میں اگر علماء اہلسنّت ومشائخ اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء اور تلامذہ اس تحریک میں شریک نہ ہوتے تو قیام پاکستان کا خواب پایۂ تکمیل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پاکستان علماء اہلسنّت اور مسلمانوں کی حمایت وتائید اور ان کی انتھک جدوجہد ومساعی کا مرہون منت ہے، جنھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور قوم پرستوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر علماء اہلسنّت اور مشائخ کی قیادت میں مسلمانانِ ہند میں جذبہ اسلامی کو بیدار کیا جو تعمیر پاکستان کی تمہید ثابت ہوا۔

معروف مؤرخ میاں عبدالرشید صاحب نے فاضل بریلوی اور ان کے متبعین کی سیاسی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے بالکل درست اور صحیح لکھا ہے۔

> *" When Pakistan resolution was passed in 1940, the efforts of Hazrat Barelvi Bore Frute and all his adherents and followers, including ulema spiritual leaders rose as one man to support Pakistan movement. Thus, the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less then of Allama Iqbal and Quaid-i-Azam."* (1)

(1) Mian Abdul Rasheed: Islam in Indo-Pak Sub-continent Lahore, 1977.

تصویر کا دوسرا رخ

آخر میں تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔ آج جمعیت علماء اسلام کے بعض حضرات اور دیگر جماعت والے ہر فورم پر یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی اور پاکستان کا حصول ان کے بزرگوں کی جدوجہد کا رہینِ منّت ہے۔ اس کی تردید میں پاکستان کی مخالف جماعتوں کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ضیاء الاسلام زبیری تحریر کرتے ہیں:

''تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ مثلاً ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی (صدر جمعیتِ علماء ہند) اپنے دور میں فنِ خطابت کے امام تھے، ہندو کانگریس نے ان کے فن خطابت ہی کی وجہ سے ان کو بھاری قیمت کے عوض خرید رکھا تھا۔ متحدہ ہندوستان میں جب کانگریس نے رابطہ عوام کی ہمہ گیر مہم شروع کی تو سادہ لوح مسلمانوں کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لئے انہیں حضرات کے فن خطابت کا استعمال کیا گیا''۔(۱)

مولانا جلال الدین قادری تحریر کرتے ہیں کہ:

''1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کی گئی اور 1937ء کے انتخابات کے لئے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں قائم

(۱) نوائے وقت، 26 اگست 1971، ص 4

ہونے والی کانگریسی وزارت (حکومت) کے مظالم کی بنیاد پر 1940ء میں علیحدہ وطن کا مطالبہ "مطالبہ پاکستان" کیا گیا۔ قائداعظم نے تمام مسلمان جماعتوں سے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی درخواست کی، مذاکرات ہوئے، مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کی گئی۔ اسی دوران قائداعظم نے اکابر دیوبند سے بھی مسلم لیگ کی تائید کی اپیل کی مگر جمعیت علماء ہند کے اکابر مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کے حامی بن گئے"۔(۱)

اس کا اعتراف مفتی دیوبند مفتی محمد شفیع (متوفی 1976ء/ والد ماجد مفتی محمد تقی عثمانی) اپنے ایک انٹرویو میں یوں فرماتے ہیں:

"35ء کے آخر میں یہ نوبت آگئی کہ سیاست کا علَم کانگریس کے ہاتھ میں تھا اور مسلمان اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ اب اس انداز کی سیاست دیوبند میں بھی در آئی تھی...... دیوبند میں کانگریسی مزاج پختہ ہوتا چلا گیا"۔(۲)

ان حالات کے پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے معروف محقق اور قائداعظم اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب خواجہ رضی حیدر رقم طراز ہیں:

"ان اجلاسوں سے مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈے کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لئے فوری طور پر پچاس ہزار کی رقم طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لئے محمد علی جناح نے اس مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ

(۱) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، ص69-68، مصنفہ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات

(۲) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، جولائی 1968، ص28

نہ تو اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لئے صرف قومی جذبے کے پیش نظر کام کیا جائے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلکنے لگے اور کانگریس پارٹی کے لئے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔ (۱)

یہ بات بھی تاریخ سے حذف نہیں کی جاسکتی کہ جس وقت مسلم لیگ سوادِ اعظم کے ساتھ قائد اعظم کی عظیم قیادت میں پاکستان کے قیام کیلئے سرگرم عمل تھی اور ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کے خلاف صف آرا تھی تو جماعتِ اسلامی نے نہ اشتراک کیا نہ تعاون بلکہ مخالفت میں پیش پیش رہی۔ (ملاحظہ ہو، روزنامہ نوائے وقت لاہور، 10 مئی 1978، ص2) لیکن یہ بھی ایک طرفہ تماشا بلکہ المیہ ہے کہ 1978ء کے جماعتِ اسلامی کے امیر میاں طفیل احمد صاحب نے ایک بیان میں یہ تاثر دیا کہ پاکستان کے بانیوں میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی بھی تھے۔

جماعتِ اسلامی کا ترجمان ''کوثر'' اپنی 28 اکتوبر 1945ء کی اشاعت میں ''1945ء کا تاریخی الیکشن'' کے عنوان سے لکھتا ہے:

''بعض خوش فہم لیگی حضرات کا خیال تھا کہ جماعتِ اسلامی اس الیکشن میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی امداد کرے گی اور مسلم لیگ کا ساتھ دے گی۔ چنانچہ انہوں نے مخلصانہ طور پر جماعتِ اسلامی کو اس سلسلہ میں

(۱) قائد اعظم کے 72 سال، ص 304-303، خواجہ رضی حیدر
مزید تفصیلات کیلئے ''قائد اعظم میری نظر میں'' از ایم۔ اے ایچ اصفہانی، مطبوعہ لاہور 1976 ملاحظہ فرمائیں۔ (نوری)

دعوت بھی دی جو اس نے ٹھکرادی اور صاف اعلان کر دیا کہ:

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے کہ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخاب کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحتوں کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ایمان لائے ہیں"۔

حالانکہ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کے رفقاء نے اپنے اصولوں کی اپنے ہاتھوں دھجیاں اس طرح اڑا دیں کہ ہر انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے آ رہے ہیں۔

ان سب تاریخی شواہد سے قطعی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی کی دینی اور سیاسی فکر کے امین افراد ہی اصل میں معمارِ پاکستان ہیں اور ان کے کردار کو فراموش کرنے کے تحریک آزادیٔ ہند یا تحریک پاکستان کی کوئی بھی تاریخ اگر لکھی جائے گی تو ایک حقیقت شناس مؤرخ کی نگاہ میں ہمیشہ غیر معتبر اور غیر مستند ہی سمجھی جائے گی۔ اس لئے تاریخ کے طالب علموں کو ان تحریکوں کے پس منظر اور پیش منظر کو پرکھنے اور بہت احتیاط کے ساتھ تمام مستند اور معتبر حوالوں کو پیش نظر رکھ کر تجزیہ کرنا ہوگا۔

اب میں اس اہم اور قیمتی بحث کو جامعہ کراچی کے سابق استاد شعبہ سیاسیات پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی کے ان منظوم کلمات پر ختم کرتا ہوں:

سورج غروب ہوتا نہ تھا جس کے راج میں
اقوام کے نصیب ٹکے جس کے تاج میں

آزادیاں جو لیتا تھا اپنے خراج میں
حضرت کو اک سمن ملا اس سامراج میں

''ہش'' کر کے اس سمن کو نظر سے ہٹا دیا
انگریز کی کچہری کو ٹھینگا دکھا دیا

ان کی نظر میں جو بھی تھا جیسا ، جتا دیا
انگریز کو مقام بھی اس کا بتا دیا
تصویر بادشاہ کو نیچا دکھا دیا
خط پر ٹکٹ لگایا تو اُلٹا لگا دیا

مقصد یہ تھا کہ ہر کوئی اوقات پر رہے
انگریز حکمران کا نیچے کو سر رہے

اُلٹا ٹکٹ کچھ ایسا کہ تختہ الٹ گیا
انگریز حکمران کا پتا ہی کٹ گیا
زچ ہو کے اپنے ملک کو واپس پلٹ گیا
سیلاب اقتدار کنوئیں میں سمٹ گیا

عالم کے حکمران جزیرے میں آگئے
الٹی بساط ، بخت کے تیرے میں آگئے

اک احتجاج اٹھا خلافت کی بات کا
یہ معاملہ تھا صرف مسلماں کی ذات کا
گاندھی نے موقع دیکھا سیاسی برات کا
مسجد میں داخلہ ہوا ، لات و منات کا

تحریک مسلمین کا رخ موڑنے لگے
پکے پکائے دیکھے تو پھل توڑنے لگے

گاندھی نے جھٹ سے ترکِ موالات کیا
آسودہ زندگی کو پُرآفات کر دیا
تحریک مسلمیں کو خرافات کر دیا
اس قوم کو سپردِ حوالات کردیا

اک موج تھی کہ جس میں مسلمان بہہ گئے
کافر کی رو میں صاحبِ ایمان بہہ گئے

مسلم سے ہندوؤں کے یہ پیرائے ہو گئے
دونوں میں دوستی ہوئی یک رائے ہو گئے
جو دور دور رہتے تھے ہمسائے ہو گئے
ہمسائے ایک نعرے میں ماں جائے ہو گئے

مسلم کو کچھ نہ فکر تھی اپنے مال کی
جے تھی مہاتما کی ، وجے رام لال کی

کچھ مسلموں نے یہ کسی مفتی کی مان لی
گھر بار اپنے بیچ کے ہجرت کی ٹھان لی
سوچی نہ اگلی پچھلی کچھ ایسی اڑان لی
ہجرت کی مشکلوں نے ہزاروں کی جان لی

سازش یہ تھی کہ ہند سے ان کی خروج ہو
اپنے مہاشے جی کا یہاں پر عروج ہو

حضرت رضا کو علم تھا کیسا یہ کھیل ہے
دراصل کس کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے
منڈھے چڑھے گی اس میں جو، وہ کس کی بیل ہے
کتنے تلوں میں تیل ہے اور کتنا تیل ہے

اس تیل سے چراغ جلائیں گے کون لوگ
تاریکیوں میں رات بتائیں گے کون لوگ

حضرت نے مسلموں کو اٹھا جھنجھوڑ کر
گاندھی کا اصل روپ نکالا کنھکھوڑ کر
ہندوؤں کی سب سنائی کھبا گوڑ گوڑ کر
علماء کے بھاری فتوے کو رکھا نچوڑ کر

سارے طلسم ٹوٹے تو پھر روشنی ہوئی
سوئے دماغوں میں ایک سنسنی ہوئی

اب سحر سامری سے نکلنے لگے تھے لوگ
ٹھوکر لگی تو خود ہی سنبھلنے لگے تھے لوگ
حضرت کی سچی بات سمجھنے لگے تھے لوگ
ان کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے لگے تھے لوگ

آنکھیں کھلیں تو قوم کی، پر کیا مزا ملے
حضرت تو اپنے رب حقیقی سے جا ملے (۱)

❁ ❁ ❁

(۱) حضرت فاضل بریلوی ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء/ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

کتابیات

1 القرآن الکریم

2 الاحادیث النبویہ

3 انفس الفکر فی قربان البقر، مولانا احمد رضا خان بریلوی، بریلی

4 الاجازات الرضویہ لمجبل مکہ البھیۃ، لاہور، 1976

5 اثبات ذبیحہ، مولانا جلال الدین قادری، گجرات

6 المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی، لاہور

7 انوارِ رضا، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور

8 ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری، مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی

9 الطاری الداری لھفوات عبد الباری، مولانا احمد رضا خان بریلوی

10 اعلام الاعلام، مولانا احمد رضا خان بریلوی

11 آزادی کی منزل، جلال الدین قادری، گجرات

12 اوراقِ گم گشتہ، رئیس احمد جعفری، آئینہ ادب، لاہور

13 السواد الاعظم، شوال المکرّم 1338ھ، مراد آباد، انڈیا

14 افاضات الیومیہ، مولانا اشرف علی تھانوی

15 ارشادات، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، علی گڑھ

16 تحقیقاتِ قادریہ، بریلی، 1919ء

17 تصو پاکستان ایک تحقیقی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

18 تحریک خلافت، قاضی محمد عدیل عباسی، نئی دہلی

19 تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

20 تذکرۃ الرشید، مولانا رشید احمد گنگوہی، دیو بند
21 تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار
22 حیاتِ اعلیٰ حضرت، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ 1402ھ
23 حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری
24 حیات شبلی نعمانی، مولفہ مولانا سلیمان ندوی
25 حیاتِ جاوید، مولانا الطاف حسین حالی
26 خطبہ صدارت، مولانا مصباح الحسن، مراد آباد
27 خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات
28 رسائل رضویہ، مطبوعہ لاہور
29 روزنامہ ہمدم لکھنو، 20 مئی 1921ء
30 روزنامہ سعادت لاہور، 8 مارچ 1975
31 روزنامہ مشرق، گورکھپور، 13 جنوری 1921ء
32 روزنامہ نوائے وقت، 26 اگست 1971ء،
33 روزنامہ حریت کراچی ۱۳ نومبر ۱۹۷۵
34 علی برادران، لاہور
35 فتاویٰ رضویہ (قدیم) مبارک پور 1965ء
36 فتاویٰ گنگوہ دررڈ ندوۃ العلماء، بریلی 1314ھ
37 فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ والمین، مرتبہ امام احمد رضا خان بریلوی
38 قراردادِ پاکستان تاریخ اور تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، دیوان آگہی کراچی، 1990
39 قائداعظم کے 72 سال، خواجہ رضی حیدر،
40 قائداعظم میری نظر میں، ایچ اصفہانی، 1976، لاہور
41 گنج ہائے گرانمایہ، پروفیسر رشید احمد صدیقی، آئینہ ادب لاہور

42 مجموعہ فتاویٰ رضویہ (جدید ایڈیشن)، مطبوعہ لاہور

43 مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی لکھنوی، مولانا عبدالحئی لکھنوی

44 ملفوظات، حصہ اوّل، فرید بک اسٹال لاہور

45 مقالات یومِ رضا، حصہ اول، لاہور، 1970

46 مجلّہ النور، مطبوعہ علی گڑھ، مولفہ مولانا سید سلمان اشرف، بہار ۱۹۲۱ء

47 مہر گنگوہ در ردّ ندوہ، ص 12، مطبوعہ بریلی 1314ھ

48 مکتوباتِ امام ربانی، امرتسر ۱۳۳۳ھ

49 ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی

50 ماہنامہ اظہار، کراچی، مقالہ سید ہاشم رضا، 1986ء

51 ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، 1968ء

52 مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمات پر مشاہیر جامعہ کراچی کے تاثرات، ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری، امام ابوحنیفہ اسلامک فاؤنڈیشن، کراچی، 2004

53 نزھۃ الخواطر، مولانا ابوالحسن علی ندوی، حیدرآباد دکن

54 یادگارِ شبلی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1971

55 *Mian Abdul Rasheed: Islam in Indo-Pak Sub-continent Lahore, 1977*

حسبِ نصابِ تعلیم شعبہ قرآن وسنۃ جامعہ کراچی، ایم اے سالِ اوّل پرچہ سوم

(منظور شدہ اکیڈمک کونسل دسمبر ۲۰۰۰ء)

فاضل بریلوی کا سیاسی کردار

(تحقیقی و تاریخی جائزہ)

تحریر و تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

رئیس، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

297.9
ج 28
775